مطالعۂ قرآنِ حکیم کا

منتخب نصاب

حصّہ چہارم

نکات برائے درس وتدریس

انجمن خدّام القرآن سندھ، کراچی (رجسٹرڈ)

قرآن اکیڈمی، خیابانِ راحت، درخشاں، ڈیفنس فیز VI ، کراچی

فون نمبر: 23-5340022 ، فیکس: 5840009

ای میل: karachi@quranacademy.com

ویب سائیٹ: www.quranacademy.com

presented in pdf format by

www.hamditabligh.net

انتساب

ان باہمت حضرات وخواتین کے نام

جو الفاظِ قرآنی

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس: 58)

پر یقین کی عملی مثال قائم کرتے ہوئے

اور حدیثِ نبویؐ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ (بُخارِیؒ)

کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے

دنیا کی عارضی لذتوں کے مقابلے میں

آخرت کی ابدی کامیابی کے حصول کے لئے

اپنی بہترین صلاحیتیں

قرآنِ کریم کے سیکھنے اور سکھانے کے لئے

وقف کردیں

فہرست

1 منتخب نصاب حصّہ چہارم کا تعارف

2 درسِ اوّل : سورۂ حج آیات 73-78

3 درسِ دوم : سورۂ توبہ آیت 24

4 درسِ سوم : سورۂ صف

5 درسِ چہارم : سورۂ جمعہ

6 حقیقتِ نفاق

7 درسِ پنجم : سورۂ منافقون

حوالہ جات

☆ ''مطالعۂ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب'' کتابی صورت میں جس میں منتخب نصاب میں شامل تمام مقامات کا متن، ترجمہ اور مختصر تفسیر موجود ہے۔

☆ منتخب نصاب کے تمام مقامات کے مختصر لیکن جامع دروس پر مشتمل الھدیٰ سیریز کے 44 آڈیو کیسٹس

☆ منتخب نصاب کے تمام مقامات کے دروس پر مشتمل الھدیٰ کمپیوٹر CD

☆ منتخب نصاب کے تمام مقامات کے تفصیلی دروس پر مشتمل 98 آڈیو کیسٹس /49 ویڈیو کیسٹس

منتخب نصاب حصّہ چہارم

☆ منتخب نصاب حصّہ چہارم کا تعارف :

- منتخب نصاب حصّہ چہارم کا موضوع ہے ''تواصی بالحق''، یعنی باہم مل جل کر اور اہتمام سے حق بات کی تلقین کرنا۔ اس حوالے سے منتخب نصاب کے حصّہ اوّل کے درسِ سوم (سورۂ لقمان رکوع 2) میں امر بالمعروف و نھی عن المنکر کی اصطلاح آچکی ہے۔ جس کا مفہوم ہے کہ خیر کے ہر کام کی تبلیغ واشاعت کرتے ہوئے اسے جاری وساری کرنا اور شر کے ہر کام کے خلاف آواز اٹھاتے ہوئے اس کا راستہ روکنا۔ اس کے بعد حصّہ اوّل ہی کے درسِ چہارم (سورۂ حم السجدہ آیت 33) میں دعوت الی اللہ کی اصطلاح آئی جس کی مدح اس طرح کی گئی کہ اعلیٰ ترین کام یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ پر پوری توحید کے ساتھ ایمان لانے اور زندگی کے ہر گوشے میں اس کی بندگی کرنے کی دعوت دی جائے۔ اس کے بعد سورۃ الحجرات میں جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح آئی۔ خارج میں جہاد فی سبیل اللہ کا آغاز دعوت سے ہوتا ہے لہٰذا اس اصطلاح میں بھی تواصی بالحق کا مفہوم شامل ہے۔
- منتخب نصاب کا حصّہ چہارم پانچ دروس پر مشتمل ہے۔ ان دروس کے موضوعات اور ان کا باہمی ربط حسبِ ذیل ہے :
- درسِ اوّل (سورۂ حج کا آخری رکوع) قرآن کی دعوت کے موضوع پر انتہائی جامع مقام ہے۔ اس مقام پر دعوتِ ایمان بھی دی گئی ہے اور دعوتِ عمل بھی۔ اس درس کے آخر میں عملی اعتبار سے اہم ترین فریضہ یعنی جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت بڑے تاکیدی انداز میں دی گئی ہے۔
- درسِ دوم (سورۂ توبہ آیت 24) میں جھنجھوڑنے کے انداز میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کو ہر شے کی محبت سے عزیز تر کرنے اور اس کے عملی ثبوت کے لئے جہاد فی سبیل

اللہ کی دعوت دی گئی ہے ۔

- درسِ سوم (سورۂ صف) میں ترہیب وترغیب دونوں اسالیب سے جہاد وقتال فی سبیل اللہ کی دعوت دی گئی ہے ۔ جہاد وقتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر سورۂ صف قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورۃ ہے۔
- درسِ چہارم (سورۂ جمعہ) میں دعوت الی اللہ کی بنیاد اور اصل ذریعہ یعنی قرآنِ حکیم کے پڑھنے اور پڑھانے کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔
- درسِ پنجم (سورۂ منافقون) میں ''نفاق'' کو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت سے پہلوتہی کرنے والوں کی سزا قرار دے کر اس کی جملہ تفاصیل بیان کی گئی ہیں ۔

درسِ اوّل: سورۂ حج آیات 73-78

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ط اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ
يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ط وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ط
ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (73) مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ
(74) اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (75)
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ط وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (76) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (77)
وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ
حَرَجٍ ط مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ط هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۵ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ج فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ط هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (78)

☆ تمہیدی نکات :

۱- منتخب نصاب کے حصّہ چہارم کا درسِ اوّل سورۂ حج کے آخری رکوع کی چھ آیات (73-78) پر مشتمل ہے۔

۲- قرآنِ حکیم کی طویل سورتوں میں سے اکثر کے آغاز واختتام پر انتہائی اہم مضامین بیان ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی سورتوں کا اسلوب خطبہ کا سا ہے۔ اچھے خطبہ کا یہ وصف ہوتا ہے کہ اس کا ابتدائی اور آخری حصّہ انتہائی مؤثر اور توجہات کو مائل کرنے والا ہوتا ہے۔ سورۂ حج کا آخری رکوع ''قرآن کی دعوت'' کے موضوع پر انتہائی جامع مقام ہے۔

۳- مضامین کے اعتبار سے اس رکوع کی آیات کا تجزیہ حسبِ ذیل ہے :

☆ ابتدائی چار آیات (73-76) کل نوعِ انسانی کے لئے دعوتِ ایمان

آیات 73-74	توحیدِ باری تعالیٰ
آیت 75	رسالت
آیت 76	آخرت

☆ آیات 77-78 اہلِ ایمان کے لئے دعوتِ عمل

۴- اس مقام کی پہلی آیت اعجازِ قرآنی کے اس پہلو کی بہترین وضاحت ہے کہ قرآنِ حکیم ہر دور کے عوام و خواص کے لئے ہدایت فراہم کرتا ہے ۔قرآن اپنے زمانۂ نزول کے وقت موجود نظریات، معاملات اور مذہبی روایات کے پس منظر میں ایسا سادہ اندازِ بیان اختیار کرتا ہے کہ مخاطبینِ اوّل اسے خود سے متعلق سمجھتے ہیں۔ البتہ بین السطور ایسے حکیمانہ نکات بیان کیے جاتے ہیں کہ ہر دور کے بڑے سے بڑے فلسفی اور دانا انسان کی علمی پیاس کی سیری اور ذہن وفکر کی رہنمائی کا سامان بھی ہوجاتا ہے۔

آیات پرغوروفکر

☆ آیت : 73 :

یَـا اَیُّهَـا النَّـاسُ -- اےلوگو -- **ضُـرِبَ مَثَلٌ** --ایک مثال بیان کی گئی-- **فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ** --پس اسے غور سے سنو-- **اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** --بے شک وہ ہستیاں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو -- **لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا** -- وہ ہرگز نہیں بنا سکتیں ایک مکھی -- **وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ** --اگرچہ وہ سب اُس کے لئے جمع ہو جائیں -- **وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا** --اور اگر مکھی ان سے کوئی شے چھین لے -- **لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ** --وہ ہستیاں اُسے چھڑا نہیں سکتیں -- **ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ** --لاچار ہے طالب (عابد) اور مطلوب (معبود)۔

- اس آیت میں ایک عام فہم مثال بیان کر کے اسے غور سے سننے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ سَمِعَ - یَسْمَعُ کے معنی ہوتے ہیں سننا اور اِسْتَمَعَ - یَسْتَمِعُ کے معنی ہوتے ہیں غور سے سننا (الاعراف : 204)۔
- جن بتوں یا معبودوں کو اللہ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ اس پر بھی قدرت نہیں رکھتے کہ مکھی جیسا حقیر کیڑا تخلیق کر سکیں۔ تخلیق تو درکنار اگر مکھی ان کے سامنے رکھے ہوئے ''تبرکات'' میں سے کچھ لے اڑے تو اسے مکھی سے چھڑانے پر بھی قادر نہیں۔ عام آدمی مٹی کے بتوں کو ہی مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس پر اس مثال کے ذریعہ ان بتوں کی بے بسی اسی طرح ظاہر ہو گئی جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے تمام بتوں کو توڑ کر اور بڑے بت کو سلامت چھوڑ کر قوم کے سامنے ان کے معبودانِ باطل کی لاچارگی عیاں کر دی تھی (الانبیاء : رکوع 5)۔

البتہ بعض فلسفی بت پرستی کی توجیہہ اس طرح سے کرتے ہیں کہ یہ خالق کی طرف

توجہ کو مرتکز کرنے کا ذریعہ ہے۔ انسان کی نگاہ ''خوگرِ پیکر محسوس'' ہے لہٰذا ''ان دیکھے'' معبود کی طرف ارتکازِ توجہ نیک ہستیوں کی مورتیوں کی پرستش سے ہوتی ہے۔ اس بلیغ مثال کے ذریعہ ان نیک ہستیوں کی عاجزی بھی نمایاں ہو گئی۔ فرشتے ہوں یا اولیاء اللہ یہ سب بھی مل کر ایک مکھی بنانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

- اسی آیت میں ''ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ'' یعنی مطلوب اگر کم تر ہو تو طالب بھی کم تر ہوتا ہے کے الفاظ میں خواص کے لئے حکمتِ قرآنی کا ایک خزانہ پوشیدہ ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اس کی وضاحت حسبِ ذیل نکات کی صورت میں کی ہے :

i - انسان کہلانے کا حق دار وہی ہے جس کا حیوانی تقاضوں سے بلند تر کوئی مقصد، مطلوب یا نصب العین ہو۔ یہ تو حیوانات ہیں جن کا اپنا کوئی مقصد نہیں ہوتا، وہ زندگی برائے زندگی کے اصول پر جیتے ہیں اور انسان انہیں اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتا ہے۔ اگر کسی انسان کا کوئی معین نصب العین نہیں تو وہ پیکر انسانی میں ایک حیوان ہے اور وہ زندگی نہیں گزار رہا بلکہ زندگی اُسے گزار رہی ہے۔ (اعراف : 179 ' انفال : 22 ' ملک : 22)

ii - ''ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ'' کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ نصب العین اگر پست ہو تو اس کے حصول کے لئے سعی و جہد کے نتیجے میں ایک پست سیرت و کردار وجود میں آتا ہے۔ نصب العین اگر اعلیٰ و ارفع ہو تو اس کے حصول کے لئے محنت و مشقت سے انسان ایک اعلیٰ شخصیت کی تعمیر کر سکتا ہے۔ کمند جتنی اونچی پھینکی جائے گی اسی قدر بلندی تک انسان چڑھ سکے گا :

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

مندرجہ بالا حقیقت کو مندرجہ ذیل مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے :

- جس کا نصب العین محض اپنی ذات ہو یعنی شہرت، دولت، یا اقتدار کی طلب تو ایسا شخص خود غرض ہوگا۔ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر کسی کو حتیٰ کہ پوری قوم کو بھی نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کرے گا۔
- جس کا نصب العین اپنی قوم، برادری یا وطن کی سربلندی ہو وہ پہلے شخص سے بہتر ہوگا اور قومی مفادات کی خاطر ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرے گا۔
- جس کا نصب العین انسان دوستی ہو وہ نسبتاً زیادہ فراخ دل اور نوعِ انسانی کی خدمت کے لئے سب کچھ نچھاور کرنے پر آمادہ ہوگا۔
- اعلیٰ ترین نصب العین ہے ذات باری تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا حصول۔ بقولِ اقبال ''منزلِ ما کبریاست'' اور ''یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ''۔ اللہ کی رضا کا حصول، اس سے محبت اور اس کی جستجو ہماری روح میں اسی طرح سے ہے جس طرح ہمارے جسم میں غذا کے لئے بھوک۔ روح کو تسکین حاصل ہوتی ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت سے۔ جس کی رسائی یہاں تک ہوگئی اب ایسا انسان صرف انسانیت سے نہیں جملہ مخلوقات سے محبت کرتا ہے، اس لئے کہ وہ اس کے محبوب کی تخلیق ہیں۔ گویا مطلوب اگر بلند ہو تو طالب کو بھی بلند کرداری حاصل ہو جاتی ہے۔ اس نصب العین سے جو سیرت و کردار وجود میں آتا ہے اس کا کامل و اکمل نمونہ نبی کریم ؐ ہیں جو کہ ''رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ'' ہیں۔

جس طرح جسم کو اپنی بھوک کی تسکین کے لئے بہتر غذا نہ ملے تو وہ کم تر غذا کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر روح کی رسائی اللہ تعالیٰ تک نہ ہو تو پھر وہ کسی کم تر شے کو معبود کا درجہ دے کر نصب العین بنا لیتی ہے :

گاہ میری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہّمات میں

یہ توہمات، انسان کی قیمتی زندگی کو اپنی طرف مائل کر کے ضائع کر دیتے ہیں، مثلاً:

- دولت کی محبت (تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ – بخاری)
- وطن کی محبت (ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے)
- باطل نظریہ کی محبت (جیسے اشتراکیت)
- کسی قائد یا رہنما کی محبت (جاپان کے شاہ ھیروہیٹو کے لئے خودکشی)

اک تصور کے حسنِ مبہم پر ساری ہستی لٹائی جاتی ہے
زندگی ترکِ آرزو کے بعد کیسے سانسوں میں ڈھالی جاتی ہے

سورۃ البقرۃ آیت :165 میں کہا گیا :

''لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ کے مدمقابل ٹھہرا لیتے ہیں اور اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیئے''۔

انسان کو اپنی زندگی کسی گھٹیا اور پست نصب العین کے لئے نہیں برباد کرنی چاہیئے۔ **Never settle for less** ۔ اپنی صلاحتیں لگانے اور زندگی کھپانے کے لئے اعلیٰ ترین نصب العین اللہ کی رضا جوئی ہے :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ :165)

''اور جو ایمان لائے وہ اللہ کی محبت میں بڑے پکے ہوتے ہیں۔''

☆ آیت : 74 :

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ -- انہوں نے اللہ کو پہچانا نہیں جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق تھا -- اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ -- بے شک اللہ قوت والا زبردست ہے۔

- شرک کی بنیادی وجہ معرفتِ الٰہی کا فقدان ہے۔ لوگ گھٹیا اور پست نصب العین اس لئے چُن لیتے ہیں کہ وہ اللہ کی قدرت، قوت، اختیار اور جاہ وجلال کا درست اندازہ نہ

کر سکے۔ اللہ کو بھی عام دنیوی بادشاہوں پر قیاس کر کے مختلف عقائد اور تصورات گھڑ لئے گئے جیسے:

- اللہ کے بھی شہزادے اور شہزادیاں ہیں جو اس قدر لاڈلے ہیں کہ جن کی ہر خواہش اللہ پوری کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کو اللہ کے بیٹے یعنی شہزادے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں یعنی شہزادیاں قرار دے دیا گیا۔
- اللہ کے بھی کچھ نائبینِ سلطنت ہیں جن کی وجہ سے اس کا اقتدار قائم ہے لہٰذا کوئی آگ کا دیوتا ہے اور کوئی پانی کا، کوئی دولت کی دیوی ہے تو کوئی سورج کا دیوتا۔
- اللہ کے بھی کچھ خاص مصاحب اور مقربینِ بارگاہ ہیں جن کی بات وہ نہیں ٹال سکتا۔

قرآنِ حکیم میں سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت اور سورۂ اخلاص میں مندرجہ بالا باطل تصورات کی نفی کی گئی ہے۔

- شرک کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسانوں کی اکثریت نے اللہ کے بجائے دولت، شہرت، اقتدار، قوم یا وطن کو مطلوب بنالیا۔ یہ شرک بھی اللہ کی معرفت کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ اگر اللہ کے لطف وکرم اور اس کی رضا جوئی کے حصول کی اہمیت کسی درجہ میں بھی پیشِ نظر ہوتی تو انسان کم تر اور ناپائیدار مطلوب اختیار نہ کرتا۔

نصب العین کے حوالے سے اہم نکات

- انسان زندگی میں کئی مقاصد کے لئے کام کرتا ہے لیکن ان تمام جزوی مقاصد سے مقصودِ اصلی صرف ایک ہوتا ہے جسے نصب العین کہا جاتا ہے۔ دولت کا حصول اگر کسی کا نصب العین بن جائے تو یہ ناجائز ہے۔ دولت کمانے کی اصل وجہ اگر یہ ہو کہ رزقِ حلال کما کر اللہ کی بندگی اور اس کے دین کی مالی و جانی خدمت کی جائے گی تا کہ اللہ راضی ہو تو یہ ہی عمل محبوب ہے۔
- صوفیاء کے نزدیک جنت کا حصول یا جہنم سے نجات بھی نصب العین نہیں ہونا چاہیئے بلکہ نصب العین صرف اور صرف رضائے الٰہی کی طلب ہونا چاہیئے۔

- ایک دینی جماعت کا نصب العین غلبۂ دین نہیں بلکہ رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیئے۔ اگر غلبۂ دین نصب العین بن گیا تو پھر ممکن ہے کہ اس کے لئے ایسے طریقے اختیار کر لئے جائیں جو عوام میں تو مقبول ہوں لیکن اللہ کو ناپسند ہوں۔

☆ آیت : 75 :

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ -- اللہ چُن لیتا ہے -- **مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ** -- فرشتوں اور انسانوں میں رسول -- **اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ** -- بے شک اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

- اصطفٰی کے معنی ہیں چن لینا (To Choose)۔ اللہ رسولوں کو چن لیتا ہے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ سعادت محنت سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ رسولوں کو چن کر نوعِ انسانی کی طرف بھیجنے کی اصل غرض وغایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر انسانوں پر حجت قائم کر دی جائے تا کہ اُن کے پاس روزِ قیامت بے عملی کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ (النساء :165)۔
- آیت کے دوسرے حصّے میں توحید کا یہ پہلو بیان ہوا کہ اللہ سمیع اور بصیر ہے یعنی وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اس کے برعکس انسانوں کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی بات سننے کا تحمل کر سکیں یا اللہ کو دیکھ سکیں (الشوریٰ :51)۔ لہٰذا انسانوں تک اپنی ہدایت پہنچانے کے لئے اللہ نے سلسلۂ رسالت جاری فرمایا جو دو کڑیوں پر مشتمل ہے یعنی 'رسولِ ملک' اور 'رسولِ بشر'۔ فرشتے اللہ کی قربت کے حامل نورانی مخلوق ہیں جو اللہ سے وحی لے کر انسانوں میں سے برگزیدہ ہستیوں یعنی رسولوں تک پہنچاتے رہے۔ پھر رسولوں کے ذریعہ وحی کی تعلیمات انسانوں تک پہنچتی رہیں۔
- قرآنِ کریم نے فرشتوں پر ایمان کا بار بار ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اور

رسول سلسلۂ وحی کے دو راوی ہیں۔ بدقسمتی سے قرآن کو عقل کی کسوٹی پر سمجھنے والوں نے فرشتوں کے علیحدہ وجود کا انکار کر دیا حالانکہ فرشتوں پر ایمان کے بغیر وحی کی توجیہہ ممکن ہی نہیں ہے۔ قرآنِ کریم نے سلسلۂ وحی کے دو راویوں (نبی کریمؐ اور جبریل امینؑ) کی ملاقات کا تذکرہ دو مرتبہ کیا ہے۔ (التکویر :23 ، النجم :13)

☆ آیت : 76 :

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ -- وہ (اللہ) جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے -- **وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ** -- اور سب معاملات اُسی کے حضور پیش کئے جائیں گے۔

ایمان بالآخرۃ کے ضمن میں فرمایا گیا کہ اللہ بذاتِ خود جانتا ہے کہ لوگوں کے سامنے کیا ہے اور ان کے پیچھے کیا ہے یعنی کیا اعمال وہ آگے بھیج رہے ہیں اور اپنے اعمال کے کون سے اثرات، وہ پیچھے چھوڑ رہے ہیں؟ یا ان کی ترجیحات میں آخرت کی تیاری مقدم ہے یا مؤخر۔ آیت کے دوسرے حصے میں پھر توحید کا بیان ہے۔ روزِ قیامت تمام انسان اور ان کے اعمال اللہ کے حضور پیش کیے جائیں گے اور اس روز فیصلہ کن اختیار صرف اللہ ہی کو حاصل ہوگا۔ (الانفطار :19)

☆ آیت : 77 :

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا -- اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو -- **ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا** -- رکوع کرو اور سجدہ کرو -- **وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ** -- اور اپنے رب کی عبادت کرو -- **وَافْعَلُوا الْخَيْرَ** -- اور بھلائی کے کام کرو -- **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** -- تاکہ تم فلاح پاؤ۔

- آیت :77 اور 78 میں بڑی جامعیت اور حکیمانہ تدریج کے ساتھ اہل ایمان کو عمل کی

دعوت دی گئی ہے۔ سورۃ العصر میں بیان شدہ شرائطِ نجات یہاں بھی بیان کی گئی ہیں۔ ایمان کا تذکرہ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** کے خطاب میں ہے۔ عملِ صالح کی وضاحت ''رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرو'' کے الفاظ سے کی گئی ہے۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے لئے جہاد کی اصطلاح ہے۔ سورۃ العصر میں منفی اسلوب میں خسارے سے بچنے کا ذکر تھا جبکہ یہاں مثبت انداز میں **لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** کے الفاظ میں کامیابی کی نوید ہے۔

- آیت :77 میں دین کے تین عملی تقاضے بیان کیے گئے ہیں :

1 - ارکانِ اسلام کی ادائیگی　　2 - عبادتِ رب　　3 - افعالِ خیر

1 - ارکانِ اسلام کی ادائیگی :

اس آیت میں ''رکوع کرو اور سجدہ کرو'' سے مراد ہے نماز ادا کرو۔ قرآنِ کریم میں اکثر ارکانِ نماز کا ذکر کر کے نماز مراد لی جاتی ہے (المزمّل :2 ، دھر :26)۔ نماز تمام ارکانِ اسلام کی نمائندہ ہے۔ گویا نماز سے مراد ہے کہ تمام ارکانِ اسلام ادا کرو۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی آیت میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے۔

2 - عبادتِ رب :

عبادتِ رب سے مراد ہے زندگی کے ہر گوشے میں دلی آمادگی کے ساتھ اپنے رب کی کلی اطاعت کرنا۔ رب سے مراد ہے اللہ، جو کہ ہمارا خالق بھی ہے اور مالک بھی، رازق بھی ہے اور محافظ بھی (البقرۃ :21، القریش: 3 - 4)۔ اللہ کی جزوی اطاعت قابلِ قبول نہیں اور اس پر دنیا میں ذلت اور آخرت میں شدید عذاب کی وعید ہے (البقرۃ :85)۔ ارکانِ اسلام عبادات ہیں جو انسان کو پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تیار کرتے ہیں اور اس عبادت میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ نسیان کا علاج نماز ہے، نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا

ذریعہ روزہ ہے، مال کی محبت کی گرفت کم کرنے کے لئے زکوٰۃ ہے اور ان تمام مقاصد کو پورا کرنے والا رکنِ اسلام حج ہے۔

3 - افعالِ خیر:

- ارکانِ اسلام کی ادائیگی اور عبادتِ رب کا تعلق بنیادی طور پر حقوق اللہ سے ہے۔ اب حقوق العباد کا تقاضا بیان کیا جا رہا ہے کہ انسانیت کی خدمت کے لئے بھلائی کے کام کرو۔ قرآنِ کریم نے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ – بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے نکلو (البقرۃ: 148) کے الفاظ کے ذریعہ نیکیوں کے ایک وسیع میدان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ

لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ (الجامع الصغیر)

- خیر اور بھلائی کے کاموں کے دو درجے ہیں:

i - دنیوی خدمتِ خلق یعنی بھوکوں کو کھانا کھلانا، ضرورت مندوں کا تن ڈھانپنا، بیماروں کی عیادت کرنا اور ان کے لئے دوا کا انتظام کرنا، لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا وغیرہ۔

ii - اخروی خدمتِ خلق یعنی لوگوں کو جہنم کی آگ سے بچانے اور ان کی عاقبت سنوارنے کے لئے انہیں نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا۔

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ میں خدمتِ خلق کے یہ دونوں پہلو بتمام و کمال دکھائی دیتے ہیں۔ وحی کے آغاز سے قبل آپ ﷺ یتیموں، غریبوں اور محتاجوں کی خدمت کرنے میں پیش پیش تھے۔ پھر جب وحی کے ذریعہ آپ ﷺ پر آخرت کی ابدی زندگی کے حوالے سے حقائق منکشف ہوئے تو آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ خلقِ خدا کو آخرت کی ناکامی سے بچانے کی کوشش میں صرف ہوا۔

- آخرت کی حقیقت سامنے ہو تو محض دنیوی خدمتِ خلق کا تصور بڑا محدود اور ناقص محسوس ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہاں ہم کسی بھوکے کے پیٹ کی آگ کو تو بجھا دیں لیکن وہ غفلت کی وجہ سے پورے کا پورا جہنم کی آگ کا نوالہ بن جائے۔

- آیت کے آخر میں فرمایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ - شائد کہ تم فلاح پاؤ۔ لَعَلَّ کے معنی شائد کے ہوتے ہیں، لیکن شاہانہ کلام میں یہ لفظ ایک حتمی وعدے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ فلاحِ اخروی ایسی حقیر شے نہیں کہ محض زبان کے دو بول ادا کرنے سے حاصل ہو جائے۔ اس کے لئے محنت اور عمل درکار ہے۔ اس محنت کے حوالے سے تین تقاضے اس آیت میں بیان ہوئے اور ایک تقاضہ اگلی آیت میں سامنے آ رہا ہے۔

☆ آیت : 78 :

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ -- اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ اُس کے لئے جہاد کرنے کا حق ہے -- هُوَ اجْتَبٰكُمْ -- اُس نے تمہیں چُن لیا ہے -- وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ -- اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں رکھی -- مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ -- (یہ دین) راستہ ہے تمہارے جدامجد ابراہیمؑ کا -- هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ -- اُنہوں نے تمہارا نام مسلمان رکھا -- مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا -- اس سے پہلے اور اب بھی -- لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ -- تاکہ (روزِ قیامت) رسول ﷺ گواہ بن جائیں تم پر -- وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ -- اور تم گواہ بن جاؤ لوگوں پر -- فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ -- پس قائم کرو نماز -- وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ -- اور دو زکوٰۃ -- وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ -- اور چمٹ جاؤ اللہ سے -- هُوَ مَوْلٰىكُمْ -- وہ تمہارا دوست ہے -- فَنِعْمَ الْمَوْلٰى -- پس خوب دوست ہے -- وَنِعْمَ النَّصِيْرُ -- اور خوب مددگار ہے۔

- دین کے عملی تقاضوں کے حوالے سے چوتھا اور آخری تقاضا ہے جہاد فی اللہ یعنی جہاد فی سبیل اللہ۔حدیثِ نبویؐ کے مطابق جہاد فی سبیل اللہ سے مراد ہے ایسی کشاکش اور محنت جس کا ہدف ہو اللہ کے دین کی سربلندی (متفق علیہ)۔پچھلی آیت میں خدمتِ خلق کا ذکر ہوا۔اس دنیا میں اعلیٰ ترین خدمتِ خلق ہے اللہ کے دین کی سربلندی یعنی ایک عادلانہ نظام کا قیام۔ظالمانہ نظام مسلسل مظلوم پیدا کرتا رہتا ہے اوراس کے تحت سماجی خدمت کے کاموں سے محض چند مظلوموں کی دادرسی ہوتی ہے۔ اسی لئے دنیا میں تمام رسولوںؑ کی مساعی کا اصل مقصد تھا ایک عادلانہ نظام کا قیام۔
- حَقَّ جِهَادِهٖ کے الفاظ کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے غور کیجئے انسانی شخصیت کے دو پہلو پر۔ ایک فکری اور دوسرا عملی۔فکری لحاظ سے اللہ کی معرفت کا معاملہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ کے الفاظ میں بیان کیا گیا اور عملی لحاظ سے اللہ کے دین کے لئے محنت اور سعی وجہد کو بیان کیا گیا جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کے الفاظ میں۔اللہ کی جتنی زیادہ معرفت ہوگی انسان اتنا ہی اللہ کے دین کی خدمت کے لئے تن من دھن لگائے گا۔اللہ کے احسانات وعنایت کا جتنا فہم ہوگا اتنا ہی زیادہ خون و پسینہ اللہ کی راہ میں بہانے کا جوش وجذبہ ہوگا۔
- اس آیت میں بڑے تاکیدی انداز میں حکم دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جیسا کہ اس کے لئے جہاد کرنے کا حق ہے۔انسان پر نفس، والدین، اولاد، بیوی، قوم، وطن وغیرہ کا بھی حق ہے اور اللہ کا بھی۔سوچنا چاہیئے کہ محسنِ حقیقی کون ہے اور سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ کتنا فیصد وقت دیگر حقوق کی ادائیگی کے لئے لگ رہا ہے اور کتنا فیصد اللہ کے لئے؟ کیا محض چند کلماتِ خیر کہہ کر، کچھ صدقہ وخیرات دے کر اور ذرا سی بھاگ دوڑ کر کے اللہ کی بیش بہا عنایات کا حق ادا ہو گیا؟
- جہاد کے تاکیدی حکم کے بعد اللہ کے اس احسان کا تذکرہ ہے کہ دیکھو اس نے تمہیں

لوگوں کی امامت ورہنمائی کے لئے منتخب فرمایا ہے۔تمہیں اپنے اختیار سے اسلام اور نبی آخر الزماں ﷺ کا امتی ہونے کی سعادت نہیں ملی۔یہ سراسر اللہ کا فضل ہے۔اس فضلِ باری تعالیٰ کے لئے یہاں اِجْتَبٰـی کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں منتخب کرنا (**To select**)۔انتخاب کسی خاص مقصد کے لئے ہوتا ہے۔یہاں انتخاب کی غرض وغایت بیان کی گئی ہے ’ **شہادت علی الناس** ‘ یعنی لوگوں پر اپنے قول وعمل کے ذریعے دین کے تقاضوں کی گواہی دے کر حجت قائم کردینا۔نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکت پر نبوت اور وحی کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا لیکن رسالت کا سلسلہ باقی ہے۔یہ امت اب سلسلۂ رسالت کی تیسری کڑی ہے۔آخری نبی ﷺ کے امتی ہونے کی وجہ سے، نوعِ انسانی تک اللہ کا پیغام پہنچانا اب اس امت کی ذمہ داری ہے (البقرۃ:**143**)۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں نبی اکرمؐ نے یہ ذمہ داری امت کے حوالے کی اور فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ   پہنچادیں حاضرین ان تک جو یہاں نہیں ہیں

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

- وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ کے الفاظ میں ایک اور احسان کو یوں بیان کیا گیا کہ اللہ نے تمہیں ایسا دین عطا کیا جو فطرت کے عین مطابق ہے۔رہبانیت کی طرح کوئی غیر فطری پابندیاں نہیں بلکہ فطری تقاضوں کی تسکین کی جائز صورت موجود ہے۔اس دین میں نفس کو کچلنے والی ریاضتیں نہیں۔نفسانی تقاضوں کو کچلنے کے بجائے انہیں انسانی معاشرے کی بھلائی کے لئے صحیح رُخ پر ڈھالا (**channalize**) گیا ہے۔اس دین میں بدعات ورسومات کا لمبا چوڑا طومار نہیں بلکہ خوشی وغمی کے مواقع کے حوالے سے انتہائی سہل ہدایات دی گئی ہیں۔

- مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ کے الفاظ سے یہ احساس پیدا کیا گیا کہ دین کے تقاضوں کی ادائیگی دراصل حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ ان کی سیرت ایک ایسی جہدِ مسلسل سے عبارت ہے جس کا مقصد تھا دینی تقاضوں کی ادائیگی اور اللہ کی خوشنودی کا حصول۔ وہ تم میں سے بنی اسماعیلؑ اور بنی اسرائیلؑ کے صُلبی والد اور بقیہ نوعِ انسانی کے روحانی والد ہیں۔ آج بھی دنیا کی اکثریت ان سے اپنی نسبت قائم کرتی ہے۔ انہوں نے تمہارے لئے ''مسلم'' نام تجویز کیا تھا (البقرہ: **128**)۔ لہٰذا اب تم واقعی مسلم یعنی فرمانبردار بن کر دکھاؤ۔ اس آیت میں ''هُــوَ'' کی ضمیر اللہ کی طرف بھی ہوسکتی ہے یعنی اللہ نے تمہارا نام مسلم رکھا یا اس نام کی توثیق کردی جو حضرت ابراہیمؑ نے تجویز کیا تھا۔ اس کتاب یعنی قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے۔ ایک داعیٔ حق کو اپنا تعارف بطور مسلم ہی کرانا چاہیئے (حم السجدہ : **33**)۔
- اس آیت میں ایک اہم اصطلاح ''شہادت علی الناس'' وارد ہوئی ہے۔ شہادت کا لفظ بنا ہے شَهِدَ – يَشْهَدُ سے جس کے لغوی معنی ہیں حاضر ہونا۔ اس کے اصطلاحی معنی ہیں مددگار ہونا (البقرہ : **23**) یا گواہی دینا (آلِ عمران : **18**) ۔ گواہی جب بھی دی جائے گی تو کسی فریق کے حق میں ہوگی یا اس کے خلاف ۔ اگر شہادت کے بعد حرفِ جر ''ل'' آئے تو گواہی حق میں ہوگی اور اگر ''علیٰ'' آئے تو خلاف ہوگی (النساء : **135**، حم السجدہ : **20-21**)۔ ''شہادت علی الناس'' کا مفہوم ہے لوگوں کے خلاف گواہی دینا یعنی قول وعمل کے ذریعہ دینی تعلیمات کی گواہی کا حق ادا کرکے نوعِ انسانی پر حجت تمام کرنا تا کہ وہ روزِ قیامت اللہ کے سامنے اپنی بے عملی کا کوئی جواز نہ پیش کرسکیں۔ اس اتمامِ حجت کے لئے ضروری ہے کہ دین کو قائم و نافذ کیا جائے تا کہ نوعِ انسانی پر اس کا قابلِ عمل ہونا ثابت ہو اور باطل نظام کا جبر کسی کے لئے اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ اسی لئے نظامِ عدل کے قیام کو اللہ تعالیٰ

نے تمام رسولوں کی بعثت کا مقصد قرار دیا (الحدید: **25**) اور جلیل القدر رسولوں کو اس کے لئے جدوجہد کی تلقین فرمائی (الشوریٰ: **13**)۔

''شہادت علی الناس'' کی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے اللہ نے کئی رسولوں کو بھیجا (النساء: **165**)۔ روزِ قیامت ابتداءً تمام امتوں کا اجتماعی محاسبہ ہوگا۔ اللہ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا انہوں نے لوگوں تک دعوتِ حق پہنچا دی؟ پھر لوگوں سے بازپُرس ہوگی کہ ان تک حق پہنچا کہ نہیں اور اگر پہنچا تو انہوں نے عمل کیا کہ نہیں؟ (الاعراف : **6**) ۔ رسول امت کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے دعوتِ حق امتوں تک پہنچا دی تھی اور اب عمل کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کو بھی ایسی ہی گواہی دینی ہوگی (النساء : **41**)۔ اسی لئے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہؓ سے پیغام پہنچا دینے کا اقرار لیا اور اس پر اللہ کو گواہ بنایا۔

''شہادت علی الناس'' کی ذمہ داری ختمِ نبوت کے بعد اب امت کے کاندھوں پر ہے۔ ہمیں یہ ذمہ داری اسی طرح سے ادا کرنی ہے جیسے نبی اکرمؐ نے ادا فرمائی۔ آپؐ نے اس کے لئے دعوت و تبلیغ کا حق ادا کیا، اپنے ذاتی کردار کی اعلیٰ مثال پیش فرمائی اور ایک کٹھن جدوجہد کے ذریعہ بالفعل دینِ حق کو غالب کرکے نوعِ انسانی پر حجت قائم کردی۔ اس دوران ہر قسم کا استہزاء اور مصائب برداشت کیے' تین برس تک شعبِ ابی طالب میں قید رہے، طائف کے سخت ترین دن کا سامنا کیا، غارِ ثور میں پناہ لی، اُحد کے دامن میں مجروح ہوئے، اپنے قریب ترین اعزہ اور جانثار صحابہؓ کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، خندق کی کھدائی میں پیٹ پر پتھر باندھے، حدیبیہ میں مشرکین کی ہٹ دھرمی پر صبر کیا اور پھر کہیں جا کر دینِ حق غالب ہوا۔

نبی کریمؐ تو ہم پر اتمامِ حجت فرما کر سرخرو ہوگئے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے قول وعمل اور غلبۂ دین کی اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ ''شہادت علی الناس'' کا فریضہ

ادا کریں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم بھی روزِ قیامت سرخرو ہو جائیں گے۔ بصورتِ دیگر ہم ایسے مجرم ثابت ہوں گے کہ نہ صرف اپنی کوتاہی بلکہ دوسروں کی گمراہی کا وبال بھی ہمارے سر آئے گا۔ روزِ قیامت لوگ الزام لگائیں گے کہ یہ دین کے وہ نام لیوا ہیں جو اپنے سیرت و کردار کی وجہ سے دین کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ بن گئے تھے۔ اسی کٹھن ذمہ داری کے احساس کا بارِ گراں تھا جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ مدینہ اور مکہ سے نکل کر دنیا کے بڑے حصہ میں پھیل گئے اور دینِ حق کے پیغام کو مختصر سے عرصے میں دور دور تک پہنچا دیا۔

- آخر میں حکم دیا گیا کہ اب اٹھو اور عمل کا آغاز کرو۔ پہلا عملی تقاضا ارکانِ اسلام کی ادائیگی ہے۔ ارکانِ اسلام میں یہاں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر بھی آ گیا۔ گویا پچھلی آیت میں بھی نماز سے مراد تمام ارکانِ اسلام تھے۔ بقیہ تقاضوں کی ادائیگی کے لئے فرمایا ''اللہ کے ساتھ چمٹ جاؤ''۔ اللہ سے چمٹنے سے مراد ہے اللہ کی رسی سے چمٹنا (آلِ عمران: 102) اور اللہ کی رسی سے مراد قرآنِ کریم ہے (جامع ترمذی)۔ گویا جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت علی الناس کے فرائض کی ادائیگی کے لئے مرکز و محور قرآنِ کریم ہے۔
- هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ کے الفاظ میں appealing اور حوصلہ افزائی کا انداز ہے۔ دین کے تقاضوں کی ادائیگی بلاشبہ ایک مشکل کام ہے لیکن اس راہ میں اہلِ ایمان کا پشت پناہ، ساتھی اور مددگار اللہ ہے۔ جسے اللہ کی مدد میسر آ جائے اسے تو سب سے بڑا سہارا مل گیا:

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

منتخب نصاب حصّہ چہارم

درسِ دوم : سورۂ توبہ آیت 24

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ
وَ اَمْوَالُ نِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ
اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞

☆ تمہیدی نکات :

۱- منتخب نصاب کے حصّہ چہارم کا درسِ دوم سورۂ توبہ کی ایک طویل آیت یعنی آیت 24 پر مشتمل ہے۔

۲- سورۂ توبہ کی یہ آیت اُن آیات (7 تا 24) میں شامل ہے جو 8ھ میں فتح مکہ سے قبل نازل ہوئیں۔ اِن آیات کا پس منظر یہ ہے کہ جب 8ھ میں قریش نے صلح حدیبیہ کو توڑ دیا تو نبی اکرم ﷺ مکہ کی طرف لشکر روانہ کرنے کی تیاری فرمانے لگے۔ اہلِ مکہ کے ساتھ جنگ، مہاجرین کے لئے بڑی آزمائش تھی۔ اِس موقع پر انہیں اہلِ مکہ میں شامل اپنے رشتہ داروں سے جنگ کرنے کا اندیشہ تھا۔ بعض لوگوں نے اِس حوالے سے جنگ سے گریز کی خواہش کا اظہار کیا جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

۳- سورۂ توبہ کی آیت 24 میں انتہائی سادہ الفاظ اور دو اور دو چار کے انداز میں یہ حقیقت واضح کی گئی کہ ہمیں ہر حال میں اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور اُس کے دین کے لئے محنت کی محبت کو تمام دنیوی محبتوں پر ترجیح دینی چاہیے۔ گویا یہ آیت قرآنِ حکیم کی اِس شان کی واضح مثال ہے کہ :

وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ﴿﴾

''ہم نے قرآن کو یاددہانی کے لئے آسان کردیا ہے تو کوئی ہے جو اِس سے یاددہانی حاصل کرے۔'' (القمر: 17، 22، 32، 40)

آیت پر غور و فکر

☆ آیت کے ابتدائی حصّہ میں فرمایا گیا:

قُلۡ ...... کہہ دیجئے (اے نبیؐ) ...... اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ ...... اگر تمہارے باپ دادا ...... وَاَبۡنَآؤُکُمۡ ...... اور تمہارے بیٹے ...... وَ اِخۡوَانُکُمۡ ...... اور تمہارے بھائی ...... وَ اَزۡوَاجُکُمۡ ...... اور تمہاری بیویاں ...... وَعَشِیۡرَتُکُمۡ ...... اور تمہارے رشتہ دار ...... وَ اَمۡوَالُ ۨ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا ...... اور وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں ...... وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا ...... اور وہ تجارت جس میں خسارے سے تم ڈرتے ہو ...... وَ مَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَهَا ...... اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں۔

◄ آیت کے اِس حصّہ میں جن محبوبات و مرغوبات کی فہرست گنائی گئی ہے، اُن میں نہایت لطیف نفسیاتی ترتیب ہے۔ پہلے باپ، بیٹے، بھائی، بیوی اور خاندان کو لیا جن کی محبت یا عصبیت آدمی کے لیے حق کی راہ میں حجاب اور آزمائش بنتی ہے۔ پھر اموال، کاروبار اور مکانات کا ذکر کیا ہے جو مذکورہ بالا متعلقین ہی کے تعلق سے مطلوب و مرغوب ہوتے ہیں۔ اِن متعلقین کی ناراضگی کے ڈر سے یا اِنہیں سہولیات کی فراہمی کے لئے انسان حق سے اعراض کرتا ہے۔ انسان اسبابِ دنیوی کے حصول کے لئے خود کو کھپاتا ہے لیکن اِن سے اکثر و بیشتر فائدہ متعلقین ہی اٹھاتے ہیں۔ یہ اسبابِ دنیا انسان کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں اگر ان کے ذریعہ انسان متعلقین کی دنیا سنوار رہا ہو لیکن دین کے تقاضوں اور آخرت کی تیاری سے غفلت

برت رہا ہو۔ روزِ قیامت یہ متعلقین انسان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے قرآنِ حکیم میں کئی بار بیان کیا گیا:

لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ اَرۡحَامُکُمۡ وَلَآ اَوۡلَادُکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ

''تمہارے کام نہ آئیں گے تمہارے رشتہ دار اور اولاد روزِ قیامت'' (الممتحنہ: 3)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ وَاخۡشَوۡا یَوۡمًا لَّا یَجۡزِیۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِهٖ شَیۡئًا (لقمان: 33)

''لوگو! اپنے رب کی نافرمانی سے بچو اور اُس دن سے ڈرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔''

یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ ﴿﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِیۡهِ ﴿﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیۡهِ ﴿﴾ لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡهُمۡ یَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ یُّغۡنِیۡهِ ﴿﴾ (عبس: 34 - 37)

''اُس روز انسان بھاگے گا اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹے سے۔ ہر انسان کو اُس روز ایسی فکر لاحق ہوگی جو اُسے دوسروں سے بے پرواہ کردے گی۔''

یَوَدُّ الۡمُجۡرِمُ لَوۡ یَفۡتَدِیۡ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِئِذٍۭ بِبَنِیۡهِ ﴿﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیۡهِ ﴿﴾ وَفَصِیۡلَتِهِ الَّتِیۡ تُـْٔوِیۡهِ ﴿﴾ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ثُمَّ یُنۡجِیۡهِ ﴿﴾

''مجرم چاہے گا اس روز کہ فدیہ میں دے دے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹے، بیوی، بھائی اور اُس پورے خاندان کو جس نے اُسے پناہ دی تھی اور زمین میں تمام بسنے والوں کو پھر اپنے آپ کو چھڑالے۔'' (معارج: 11 - 14)

◄ اموال کے ساتھ ''اِقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا'' کی قید ہے۔ 'اِقۡتَرَفَ' کے معنی اکتساب یعنی کمانے کے ہیں۔ جس مال کو آدمی نے خود کمایا اور بڑھایا ہو، وہ اُس کو زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اِسی طرح 'تجارت' کے ساتھ ''تَخۡشَوۡنَ كَسَادَهَا'' کی قید اِس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ وہ کامیاب چلتی ہوئی تجارت ہے۔ کامیاب اور چلتی ہوئی

تجارت ہی ہے جس کے متعلق تاجر کو ہر وقت کساد بازاری کا اندیشہ لاحق رہتا ہے اور اِس خطرے سے بچنے کے لیے وہ سارے جتن کرتا ہے۔ پھر وہ تجارت ہی اُس کی معبود بن جاتی ہے جس کی خاطر وہ حلال وحرام کی تمیز کا لحاظ نہیں رکھتا۔ گھروں کے ساتھ 'تَرْضَوْنَهَا' کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ گھر کی محبت نے آدمی کو جکڑا ہوا ہے، وہ اُس کی حفاظت وسجاوٹ میں مشغول ہے اور اُس کا آرام وسکون، اُس کے لئے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے رکاوٹ بن گیا ہے۔ یہ ہیں وہ مرغوباتِ دنیا جو بت بن جاتی ہیں اگر یہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اللہ کہ راہ میں ہجرت و جہاد کی محبت پر فائق ہو جائیں۔ بقولِ اقبال:

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا اِلٰہ اِلاّ اللہ

جب تک بندہ اللہ کی رضا کے حصول کے لئے اِن میں سے ہر بت کو توڑنے کے لیے تیار نہ ہو جائے، وہ ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرسکتا۔

☆ آیت کے دوسرے حصّہ میں فرمایا گیا:

اَحَبَّ اِلَيْكُمْ ...... (مذکورہ بالا مرغوباتِ دنیا) اگر تمہیں زیادہ محبوب ہیں ...... مِّنَ اللّٰهِ ...... اللہ سے ...... وَرَسُوْلِهٖ ...... اور اُس کے رسولؐ سے ...... وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ ...... اور اُس کی راہ میں جہاد سے ...... فَتَرَبَّصُوْا ...... تو انتظار کرو ...... حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ...... یہاں تک کہ لے آئے اللہ اپنا فیصلہ (یعنی تمہاری موت) ...... وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ...... اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

- کسی چیز کا اللہ اور رسول ﷺ سے زیادہ عزیز ومحبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف اللہ اور رسول ﷺ کا مطالبہ ہو، دوسری طرف اُس چیز کی محبت کا مطالبہ اور آدمی اللہ اور رسول ﷺ کے مطالبہ کو نظر انداز کرکے دوسری چیز کے مطالبہ کو

ترجیح دے دے۔ اگر اِس کے برعکس وہ اُس چیز کے مطالبہ پر اللہ اور رسول ﷺ کے مطالبہ کو مقدم رکھے تو اِس کے معنی یہ ہیں کہ اُس نے اللہ ورسول ﷺ کی محبت کو ترجیح دی۔

رشتہ داروں کی محبت کا مطالبہ یہ ہے کہ اُن کی ضروریات اور خواہشات پوری کرنے اور اُن کے معیارِ زندگی کو بہتر سے بہتر کرنے کے لئے انسان کولہو کے بیل کی طرح محنت کرتا رہے اور دین کے فرائض کو فراموش کردے یا آمدنی کے حرام ذرائع اختیار کرنا شروع کردے۔

کاروبار کی محبت کا مطالبہ ہے کہ اسے ترقی دینے کے لئے توانائیوں کا اکثر حصہ اسی کی خاطر صرف کردے یا خلافِ شرع اُمور اختیار کرے۔

گھر کی محبت کا مطالبہ ہے کہ اُس کی تعمیر اور سجاوٹ ہی میں اکثر وسائل صرف کردیئے جائیں یا سودی قرضوں کے ذریعہ اُس کی تکمیل کی جائے۔

مال کی محبت کا مطالبہ ہے کہ اس کے حصول کی خاطر دینی ذمہ داریوں سے غفلت برتتے ہوئے دن رات ایک کردیا جائے یا حلال وحرام کی تمیز ہی ختم کردی جائے۔

اس کے برعکس اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا مطالبہ ہے کہ رشتہ داروں، کاروبار، گھر کے لئے جائز ذرائع سے وسائل فراہم کیے جائیں اور دینی تقاضوں کی ادائیگی کی جدوجہد سے ہرگز غفلت نہ برتی جائے۔

اب ہمیں جائزہ لینا چاہئے کہ ہم کس کی محبت کو فوقیت دے رہے اور کس کی محبت کو پسِ پشت ڈال رہے ہیں۔

یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے ہر شخص اپنی روزمرّہ کی زندگی میں اپنے ایمان اور اپنی محبت کی کیفیت کو جانچ سکتا ہے۔ ہمیں ہر صورت میں اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ یہ محبت ایمانِ حقیقی کی علامت ہے اور اِس کے بغیر کسی کا دعوائے

ایمان معتبر نہیں ہے۔

◆ اللہ کی محبت :

☆ انسان میں محبت کی تین سطحیں ہیں جن میں سب سے بلند ہے اللہ سے محبت۔
محبت کی تین سطحیں حسبِ ذیل ہیں :

i- **طبعی یا جبلی محبت** : ہر انسان کے لئے بیوی، اولاد اور مال و اسباب کی محبت مرغوب کردی گئی ہے :

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴿﴾

’’مزین کردی گئی ہے لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت یعنی عورتوں، بیٹوں، سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ذخیروں، اعلیٰ نسل کے گھوڑوں، مویشیوں اور کھیتیوں کی محبت۔ (مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت عمدہ ٹھکانہ ہے۔‘‘ (آلِ عمران : 14)

دنیا میں تمدن کا آگے بڑھنا اور تمام کاروباری گہما گہمی اِسی جبلی محبت کی وجہ سے ہے۔

ii- **فطری محبت** : اگر انسان کی فطرت سلامت ہے تو انسان جس شے کو اپنا محسن سمجھتا ہے، اُس سے محبت کرتا ہے۔ والدین کی محبت، مظاہرِ قدرت کی محبت و پرستش اور محسنِ حقیقی یعنی اللہ سے محبت اِسی وجہ سے ہوتی ہے۔

iii- **روحانی محبت** : انسان کا وجود جسم اور روح کا مرکب ہے۔ روح کی نسبت اللہ تعالیٰ سے ہے۔ سورۂ سجدہ آیت 9 میں فرمایا گیا :

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ

’’پھر اُس (اللہ) نے اِس (انسان) کو درست کیا اور اُس میں اپنی

روح میں سے پھونکا۔‘‘

بقولِ اقبال :

ہے ذوقِ تجلی بھی اِسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِهٖ (ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے) کے مصداق روح میں اللہ کی طرف زوردار میلان اور اس کی محبت کی شدید پیاس ہے۔ اگر انسان کی اللہ تک رسائی نہ ہو تو وہ اِس پیاس کی تسکین کے لئے کسی انسان، قوم، وطن یا نظریہ کو محبوب و مطلوب بنالیتا ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللّٰهِ

’’اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں اور اِن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیئے‘‘ (البقرۃ : 165)

اس کے برعکس اہلِ ایمان کا معاملہ یہ ہے کہ :

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ : 165)

’’اور جو ایمان لائے وہ اللہ کی محبت میں بڑے پکے ہوتے ہیں۔‘‘

☆ اللہ کے محبوب بندوں کی صفات میں سے اوّلین یہ ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (المائدۃ : 54)

’’اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر گیا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کردے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اُس سے محبت کریں گے اور جو

مومنوں کے حق میں نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔"

اگر ہم میں یہ صفات موجود ہیں تو ہم اللہ کے محبوب بندے ہیں ورنہ اللہ ہمیں دین اسلام کی علمبرداری سے محروم کرکے دین کی خدمت کا جھنڈا اُن کے ہاتھ میں دے دے گا جو مذکورہ بالا صفات کے حامل ہوں گے۔

☆ اللہ کی محبت کا بڑا گہرا تعلق ہے ہمارے مقصدِ تخلیق سے۔ ہمارا مقصدِ تخلیق ہے اللہ کی عبادت۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴿ (الذاریات: 56)

"اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کے لئے۔"

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

اللہ کی عبادت سے مراد ہے زندگی کے ہر گوشے میں محبت اور ذوق وشوق کے ساتھ اللہ کی کلی اطاعت کرنا۔ بقول حافظ ابن قیمؒ :

اَلْعِبَادَةُ تَجْمَعُ اَصْلَیْنِ غَایَةَ الْحُبِّ مَعَ غَایَةَ الذُّلِّ وَ الْخُضُوْعِ

"عبادت دو چیزوں کو جمع کرتی ہے یعنی انتہائی درجے کی محبت اور اس کے ساتھ مکمل طور پر عاجزی اختیار کرنا اور خود کو جھکا دینا"

عبادت = محبت قلبی + اطاعت کلی

اللہ کی محبت ہی دراصل عبادت کی روح ہے جبکہ اطاعتِ کلی اس کا جسم ہے۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب ، میرا سجود بھی حجاب

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

حضرت علیؓ کا قول ہے کہ عبادت کے تین محرکات ہیں :

i- جہنم کے عذاب سے بچنے کے لئے عبادت : یہ عبادت بھی جائز ہے لیکن یہ ایک غلام کی عبادت ہے۔

ii- جنت کے شوق میں عبادت : یہ عبادت بھی جائز ہے لیکن یہ ایک تاجر کی عبادت ہے۔

iii- اللہ کی محبت کی وجہ سے عبادت : یہ عبادت کا اعلیٰ ترین محرک ہے اور یہی ایک مومن کی عبادت ہے۔

☆ احادیثِ مبارکہ میں اللہ کی محبت کی اہمیت اس طرح بیان ہوئی ہے :

وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ اَعْرَابِیًّا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مَتٰی السَّاعَةُ؟ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مَا اَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِهٖ. قَالَ: اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا! "قیامت کب آئے گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا! "تم نے اُس کے لئے کیا عمل تیار کر رکھا ہے؟"۔ اُس نے عرض کیا "اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت"۔ آپ ﷺ نے فرمایا! "تم اُسی کے ساتھ ہوگے (روزِ قیامت) جس سے تم نے محبت کی"۔

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ

"جس نے محبت کی اللہ کے لئے اور دشمنی کی اللہ کے لئے اور دیا اللہ کے لئے اور روکا اللہ کے لئے، اس نے ایمان کی تکمیل کرلی۔" (ابوداود، ترمذی)

اِنِّیْ لَاَعْرِفُ نَاسًامَاهُمْ اَنْبِيَاءَ وَلَاشُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ وَالشُّهَدَآءُ بِمَنْزِلَتِهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ،اَلَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اللّٰهَ وَيُحَبِّبُوْنَهٗ اِلٰى خَلْقِهٖ ، يَاْمُرُوْنَهُمْ بِطَاعَةِ اللّٰهِ،فَاِذَا اَطَاعُوا اللّٰهَ اَحَبَّهُمُ اللّٰهُ

''بلاشبہ میں جانتا ہوں ایسے لوگوں کو جو نہ انبیاء ہوں گے اور نہ ہی شہداء لیکن روزِ قیامت اُن کا مقام دیکھ کر انبیاء وشہداء رشک کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے محبت کرتے ہیں، خلقِ خدا میں اللہ کی محبت پیدا کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں پھر جب وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں تو اللہ بھی اُن سے محبت کرتا ہے۔'' (کنز العمال)

دعائے مسنونہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ

''اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت کا جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کا جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ اپنی محبت مجھے محبوب کر دے میرے نفس اور میرے گھر والوں اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ'' (ترمذی)

- **رسول ﷺ کی محبت :**

☆ رسول اکرم ﷺ کی محبت دراصل اللہ سے محبت کا لازمی نتیجہ ہے :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿ (آلِ عمران:31)

'' (اے نبی ؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔''

اتباع سے مراد ہے احکامات کا انتظار کیے بغیر دلی محبت کے ساتھ پیروی کرنا

یعنی زندگی کے ہر معاملے میں نبی اکرم ﷺ کی پسند و ناپسند کا خیال رکھنا اور تمام امور حتیٰ کہ معمولاتِ زندگی میں بھی آپ ﷺ کی ہر ہر ادا کی پیروی کرنا۔

اتباع = اطاعت + محبت

اتباعِ رسول ﷺ کا اہم ترین میدان دعوتِ دین اور اقامتِ دین کے لئے مال و جان سے جہاد کرنا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ دعوتِ دین اور اقامتِ دین کے لئے جدوجہد آپ ﷺ کی متفقہ اور متواتر سنت ہے۔

☆ رسولِ اکرم ﷺ سے محبت کسی شخص کے مومن ہونے کی دلیل ہے :

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب: 6)

''نبی ؐ مومنوں کے لئے اپنی جانوں سے بڑھ کر عزیز ہیں اور آپ ؐ کی ازواج ؓ اُن کے لئے ماں کا درجہ رکھتی ہیں۔''

ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَمِنَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (متفق علیہ)

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُسے محبوب نہ ہو جاؤں اس کے والد سے، اس کی اولاد سے اور یہاں تک کہ تمام انسانوں سے۔''

☆ سلامتیٔ فطرت کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ سے محبت کی جائے کیوں کہ آپ ﷺ نوعِ انسانی کے عظیم محسن ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی وساطت سے ہمیں قرآنِ حکیم اور دینِ اسلام جیسی نعمتیں ملی ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِی الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِیْ

''جس شخص کے بارے میں اللہ خیر کا فیصلہ فرماتا ہے اِسے اپنے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور بلاشبہ تقسیم کرنے والا میں ہی ہوں جبکہ عطا فرمانے والا

اللہ ہے۔'' (ترمذی)

سب سے بڑی دولت جو آپ ﷺ کے ذریعہ حاصل ہوئی وہ ہے ہدایت۔ اگر ہدایت ہے تو دنیا کی ہر نعمت واقعی نعمت ہے ورنہ یہی نعمتیں روزِ قیامت جواب دہی کے حوالے سے زحمتیں بن جائیں گی۔

☆ آپ ﷺ سے محبت کا تقاضا ہے کہ :

i- آپ ﷺ کی سنت سے محبت کی جائے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ

''جس نے میری سنت سے محبت کی یقیناً اس نے مجھ سے محبت کی'' (ترمذی)

رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلٰی خُلَفَائِی قَالُوْا وَمَنْ خُلَفَاؤُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ سُنَّتِی وَیُعَلِّمُوْنَھَا النَّاسَ

''اللہ کی رحمت ہو میرے خلفاء پر۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو میری سنت سے محبت کرتے ہیں اور لوگوں کو اِس کی تعلیم دیتے ہیں'' (کنز العمال)

مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ

''جس نے میری سنت کو زندہ کیا اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا'' (کنز العمال)

ii- آپ ﷺ کے صحابہؓ سے محبت کی جائے کیوں کی آپ ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّی اَحَبَّھُمْ، وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِی اَبْغَضَھُمْ، وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ، وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ، وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ

''تو جو کوئی اُن (صحابہ کرامؓ) سے محبت کرے گا وہ محبت کرے گا میری محبت کی

وجہ سے اور جو اُن سے دشمنی کرے گا وہ دشمنی کرے گا مجھ سے دشمنی کی وجہ سے۔ جس نے اُن کو تکلیف دی اُس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے اللہ کو ناراض کیا اور جس نے اللہ کو ناراض کیا تو اندیشہ ہے کہ اللہ اُس کی گرفت کرے گا۔'' (مسند احمد)

اللہ کے راستہ میں جہاد کی محبت :

☆ منکرات اور اللہ کے احکامات سے بغاوت کے خلاف جہاد کرنا اللہ سے محبت اور غیرت وحمیت کا تقاضا ہے۔ جس طرح ایک غیرت مند انسان کا اپنے ماں باپ کے خلاف کوئی نازیبا بات سن کر خون کھول اُٹھتا ہے اِسی طرح اللہ کی نافرمانی دیکھ کر بھی اُس کے تن بدن میں آگ لگ جانی چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر انسان کا انجام اُس شخص کی مانند ہوسکتا ہے جس کا ذکر حدیث میں ان الفاظ میں آیا ہے :

اَوْحَی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِلٰی مَلَکٍ مِّنَ الْمَلَائِکَةِ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَةَ کَذَا وَکَذَا عَلٰی اَھْلِھَا فَقَالَ یَا رَبِّ اِنَّ فِیْھِمْ عَبْدَکَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِکَ طَرْفَةَ عَیْنٍ قَالَ اقْلِبْھَا عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ فَاِنَّ وَجْھَہٗ لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ سَاعَةً قَطُّ

''وحی کی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کی طرف کہ اِن اِن شہروں کو ان میں بسنے والوں پر الٹ دو۔ اس پر فرشتے نے عرض کیا کہ ان بسنے والوں میں آپ کا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکتے بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔ اللہ نے فرمایا کہ شہر کو الٹ دو اس پر بھی اور باقی لوگوں پر بھی کیوں کہ اس شخص کے چہرہ کا رنگ کبھی میری وجہ سے تبدیل (سرخ) نہیں ہوا۔'' (بیہقی)

☆ اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے کوشش کرنا اور اس مشن سے محبت کرنا دراصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا عملی ثبوت بھی ہے۔ انسان کا عمل ظاہر کرتا

ہے کہ اُسے اللہ سے کس قدر محبت ہے اور وہ دیگر حقوق کے مقابلے میں اللہ کی عبادت اور اُس کے دین کے تقاضوں کی ادائیگی کے لئے کتنی محنت کرتا ہے۔ اسی طرح انسان کا عمل بتاتا ہے کہ نفسانی خواہشات اور معاشرتی رسم رواج کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو وہ کس قدر اہمیت دیتا ہے اور آپ ﷺ کی پیروی میں غلبۂ دین کے لئے جدوجہد میں کس قدر مال و جان لگاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ بیٹھو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلّت مسلّط کر دے گا جس سے کبھی نہ نکل سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف پلٹ آؤ۔'' (ابوداؤد)

☆ صحابہ کرامؓ کو اللہ کی راہ میں قربانی دینا کس قدر محبوب تھا، اِس کا اندازہ ذیل کی روایت سے ہوتا ہے:

عَنْ اَبِی وَائِلٍ قَالَ کَتَبَ خَالِدُ نِ بْنُ الْوَلِیْدِ اِلٰی اَھْلِ فَارِسٍ یَدْعُوْھُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ خَالِدِ نِ بْنُ الْوَلِیْدِ اِلٰی رُسْتَمَ وَمِھْرَانَ وَمَلَاءِ فَارِسٍ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّا نَدْعُوْکُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَبِیْتُمْ فَاعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَن یَّدٍ وَّاَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ فَاِنَّ مَعِیَ قَوْمًا یُّحِبُّوْنَ الْقَتْلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَا یُحِبُّ فَارِسُ الْخَمْرَ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (معجم الطبرانی)

ابی وائل سے روایت ہے کہ خالد بن ولیدؓ نے اہلِ فارس کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے تحریر فرمایا: ''اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ تحریر خالد بن ولید کی طرف سے رستم، مہران اور فارس کے سرداروں کی طرف ہے۔ سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اِس کے بعد ہم تمہیں

اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم یہ دعوت قبول نہیں کرتے تو جزیہ دو گے اپنے ہاتھ سے اور چھوٹے بن کر رہو گے (بصورت دیگر) بلاشبہ میرے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جان دینا اتنا پسند کرتے ہیں جتنا اہلِ فارس، شراب پسند کرتے ہیں۔ سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''

☆ فَتَرَبَّصُوْا سے مراد ہے انتظار کرو، یعنی اگر تمہارے دل میں مرغوباتِ دنیا کی محبتوں کو ترجیح حاصل ہے تو محض چند عبادات ادا کر کے اور تھوڑا سا صدقہ وخیرات کر کے اللہ کو راضی نہیں کر سکتے۔ اپنی اِس روش سے باز آؤ اور اپنی زندگی کی منصوبہ بندی اور بھاگ دوڑ میں دین کی خدمت کو ترجیح دو۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو پھر اللہ کی طرف سے سزا کے منتظر رہو۔

☆ حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ: یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے

اللہ کے حکم سے مراد ہے عذاب کی کوئی صورت یا موت۔ برے انسان کی موت بھی بڑی حسرت اور عذاب کی صورت میں واقع ہوتی ہے:

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿﴾ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا ؕ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿﴾

(المنافقون: 10-11)

''اور جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس (وقت) سے پیشتر خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے تو (اس وقت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی؟ تاکہ میں صدقہ کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔ اور جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿﴾ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿﴾ (المومنون : 99 - 100)

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے لوٹا دے تا کہ میں اس (مال واسباب) میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے جس کا وہ محض کہنے والا تھا اور اُس کے بعد برزخ ہے اس دن تک کے لئے جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔"

☆ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ اور اللہ ایسے فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

آیت کے اس حصّہ میں دو دھمکیاں دی گئی ہیں :

i- مرغوباتِ دنیا کی محبتوں کو ترجیح دینے والے فاسق یعنی اللہ کے باغی ہیں۔ فسق یعنی اللہ کے حکم کو توڑنا ایک شیطانی عمل ہے۔ فسق کا لفظ سورۂ کھف آیت 50 میں ابلیس کی اُس نافرمانی کے لئے استعمال ہوا ہے، جب اُس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ط

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ جنات میں سے تھا، پس اُس نے توڑ دیا اپنے رب کا حکم۔"

ii- ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت کی نعمت سے محروم کر دیتا ہے۔

چند اہم نکات

1- سورۂ توبہ کی آیت 24 میں ایک رہنمائی دی گئی ہے کہ دوستی اور محبت کا معیار ایمان کی بنیاد

پر ہونا چاہیئے۔ یہ ہدایت قرآن مجید میں کئی مقامات پر دی گئی ہے :

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ط (المجادلہ : 22)

"جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا خاندان کے ہی لوگ ہوں۔"

صحابہؓ کی شان یہ ہی تھی کہ اللہ و رسول کے معاملہ میں کسی چیز اور کسی شخص کی پروا نہیں کی۔ غزوات کے دوران حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے باپ کو، حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو، حضرت عمرؓ بن الخطاب نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو، حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہؓ بن الحارث نے اپنے اقارب عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو قتل کیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہؓ نے جو مخلص مسلمان تھے ایک موقع پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو اپنے باپ کا سر کاٹ کر خدمت میں حاضر کر دوں لیکن آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔

قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ج اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ز کَفَرْنَا بِکُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (الممتحنہ : 4)

"تمہارے لئے ابراہیمؑ اور اُن کے ساتھیوں (کی روش) میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے کہا اپنی قوم سے کہ ہم اعلانِ بیزاری کرتے ہیں تم سے اور اُن معبودوں سے جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو (اور) ہم انکار کرتے ہیں تمہارا (یعنی تمہارے عقائد کا) اور پیدا ہوگئی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت جب تک تم اللہ پر اُس کی توحید کے ساتھ ایمان نہ لے آؤ۔"

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿ (التوبہ : 16)

''کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو ظاہر کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اُس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دِلی دوست نہیں بنایا اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے :

''تین باتوں سے ایمان کی حلاوت محسوس ہوتی ہے اللہ اور رسول ﷺ کا ہر شے سے زیادہ محبوب ہونا، کسی سے محبت کرنا اللہ کے لئے اور نفرت کرنا اللہ کے لئے اور کفر میں لوٹنا اسی طرح بُرا محسوس ہو جیسے آگ میں ڈالا جانا''۔ (متفق علیہ)

2- اِس آیت میں اللہ نے ہمیں بڑے دوٹوک انداز میں اپنے باطن میں ایک ترازو نصب کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ ترازو کے ایک پلڑے میں ہمیں مرغوباتِ دنیوی کی محبتیں ڈالنے کی دعوت دی ہے اور دوسرے پلڑے میں اللہ، رسول ﷺ اور اللہ کے راستے میں جہاد کی محبتیں۔ اب ہمیں جائزہ لینا چاہئے کہ کون سا پلڑا بھاری ہے۔ اگر دوسرا پلڑا جھک رہا ہو تو 'فَهُوَ الْمَطْلُوب' ہمیں چاہیئے کہ اللہ کا شکر ادا کریں تا کہ مزید توفیق حاصل ہو۔ اگر خدانخواستہ پہلا پلڑا بھاری ہو تو ہمیں چاہیئے کہ فوراً اپنی اصلاح پر کمر بستہ ہو جائیں۔

3- تعلیماتِ اسلام میں حقوق العباد کی ادائیگی کی انتہائی تاکید ہے۔ اِسی طرح حلال وحرام کی تمیز کرتے ہوئے کاروبار کرنے، مال کمانے اور گھر سمیت تمام ضروریاتِ زندگی کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہے۔ البتہ ان تمام علائق و اسبابِ دنیا کی محبتیں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت کے تابع ہونی چاہئیں۔

حرفِ آخر :

آج ہماری بہت سی ذاتی و اجتماعی خرابیوں، پستیوں اور انتشار کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دنیوی رشتوں کی محبتوں کو دینی محبتوں پر ترجیح دے رکھی ہے، بقول اقبال :

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج ، دل پریشاں ،سجدہ بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

آیئے دعا کریں :

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَ حُبَّ حَبِيْبِكَ وَحُبَّ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِكَ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى

اے اللہ ہمیں اپنے محبت عطا فرما اور اپنے حبیب ﷺ کی محبت عطا فرما اور اپنے راستہ میں جہاد کی محبت عطا فرما، جس طرح تو پسند کرے اور تو راضی ہو جائے۔ آمین

منتخب نصاب حصّہ چہارم

درسِ سوم: سورہ صف

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (1) يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (2) كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (3) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (4) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِىْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّىْ

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ
الْفَاسِقِیْنَ (5) وَاِذْ قَالَ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ یَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ یَّأْتِیْ مِنْ بَعْدِی
اسْمُهٗ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَ هُمْ بِالْبَیِّنَاتِ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (6) وَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ وَهُوَ یُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ
الظَّالِمِینَ (7) یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ
الْکَافِرُوْنَ (8) هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی
الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ (9)

☆ تمہیدی نکات :

۱ - منتخب نصاب کے حصّہ چہارم کا درسِ سوم سورۂ صف پر مشتمل ہے۔
۲ - سورۂ صف مکی - مدنی سورتوں کے چھٹے گروپ کی دس مدنی سورتوں میں شامل ہے۔
ان سورتوں میں حسبِ ذیل خصوصیات ہیں:
- ان میں سے اکثر سورتوں کا زمانۂ نزول مدنی دور کا نصف ثانی ہے۔ اس دور میں امتِ مسلمہ کی تشکیل ہو چکی تھی اور ایک مسلم معاشرہ وجود میں آ چکا تھا، لہٰذا ان سورتوں میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کفار کا ذکر ضمنی طور پر ہے اور ان میں سے خصوصاً اہلِ کتاب کا ذکر ہے بطورِ عبرت۔ اہلِ کتاب مسلمانوں سے قبل امت کے منصب پر فائز تھے لیکن ان میں بعض ایسی اعتقادی اور عملی گمراہیاں آ گئیں جن کی وجہ سے اللہ ان سے ناراض ہو گیا۔ ان سورتوں میں ہمیں دعوتِ غور و فکر دی جا رہی ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ یہ گمراہیاں کن کن راستوں سے آئیں اور پھر ہم ان گمراہیوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں۔

- ان سورتوں میں ملامت اور جھنجھوڑنے کا انداز بہت نمایاں ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ مجموعی اعتبار سے مسلمانوں کے جذبۂ عمل میں کچھ کمی واقع ہو رہی ہے جس پر متوجہ کیا جا رہا ہے۔ (حدید :8، 10، 16- ممتحنہ :1- صف :2، 3- جمعہ : 11)
- ان سورتوں میں اہم مضامینِ قرآن کے خلاصے بیان کیے گئے ہیں۔
- ان سورتوں میں سے پانچ کا آغاز تسبیح باری تعالیٰ سے ہوا ہے اور انہیں مسبحات کہا جاتا ہے۔ سورۂ حدید - سورۂ حشر - سورۂ صف کے آغاز میں ماضی کا صیغہ سَبَّحَ آیا ہے اور سورۂ جمعہ - سورۂ تغابن کے آغاز میں مضارع کا صیغہ یُسَبِّحُ استعمال ہوا ہے۔ سورۂ حشر اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس کی پہلی اور آخری آیت میں تسبیح کا بیان ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کی وجہ سے ان میں سے چھ سورتیں منتخب نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔ حصہ دوم میں سورۂ تغابن، حصہ سوم میں سورۂ تحریم، حصہ چہارم میں سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون اور حصہ ششم میں سورۂ حدید شامل ہے۔

۳ - سورۂ صف ''جہاد و قتال فی سبیل اللہ'' کے موضوع پر قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورۃ ہے۔ اس سورۃ میں نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت ''غلبۂ دین'' بیان ہوا ہے۔ اس مقصد کے لئے کی جانے والی جدوجہد کا عنوان ہے ''جہاد فی سبیل اللہ''۔

۴ - سورۂ صف، سورۂ جمعہ کا جوڑا ہے۔ سورۂ صف میں سیرت النبیؐ کا ایک رُخ بیان ہوا یعنی نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت - غلبۂ دینِ حق۔ سورۂ جمعہ میں سیرت النبیؐ کا دوسرا رُخ بیان ہوا یعنی غلبۂ دینِ حق کے لئے نبی اکرمؐ کا اساسی طریقۂ کار۔ کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لئے مقصد کا واضح شعور اور صحیح طریقۂ کار کا تعین بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ دونوں سورتیں ایک اہم تحریکی موضوع کی تکمیل کرتی ہیں۔

۵- مضامین کے اعتبار سے سورہٴ صف کی آیات کا تجزیہ اس طرح ہے :

آیت: 9	نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت - غلبہٴ دینِ حق
آیات: 1 - 4	غلبہٴ دینِ حق کے لئے جہاد کی دعوت - ترہیب کے انداز میں
آیات: 5 - 8	تاریخِ بنی اسرائیل کے تین ادوار - غلبہٴ دینِ حق کے لئے جہاد سے اعراض کا بیان بطورِ عبرت
آیات: 10 - 13	غلبہٴ دینِ حق کے لئے جہاد کی دعوت - ترغیب کے انداز میں
آیت: 14	غلبہٴ دینِ حق کے لئے جہاد کرنے والوں کے لئے عظیم سعادت اللہ کے مددگار ہونے کا اعزاز

۶- قرآنِ حکیم کی ہر سورۃ کا ایک خاص مرکزی مضمون ہوتا ہے جو اس سورۃ کا عمود کہلاتا ہے۔ سورۃ کی ہر آیت عمود سے معنوی ربط رکھتی ہے۔ ہر آیت اپنی جگہ اللہ کے علم وحکمت کا خزانہ ہے لیکن جب اسے ایک سلسلہٴ کلام کی لڑی میں پرو دیا جاتا ہے اور اس کا ربط مرکزی مضمون سے قائم کیا جاتا ہے تو حکمت ومعرفت کے نئے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ سورہٴ صف کا عمود ہے ''نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت'' جو کہ آیت: 9 میں بیان کیا گیا ہے۔

آیات پر غور وفکر

سورہٴ صف کے مضامین پر غور کے لئے سب سے پہلے ہم اس سورۃ کی مرکزی آیت یعنی آیت: 9 کو سمجھیں گے۔ پھر بقیہ آیات کا مرکزی آیت سے ربط سمجھ کر پوری سورۃ کا فہم حاصل کریں گے۔

☆ آیت : 9 :

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ -- وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو --
بِالْهُدٰى --کامل ہدایت کے ساتھ -- وَدِيْنِ الْحَقِّ -- اور سچّے دین کے ساتھ

-- لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ -- تاکہ وہ اس کو غالب کردیں کل نظامِ زندگی پر--
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ -- اور چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

آیت کی اہمیت :

i- اس آیت میں نبی کریمؐ کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد بیان کیا گیا غلبہٴ دینِ حق۔ کسی بھی شخصیت کے کارنامہٴ حیات کا اندازہ (**Assessment**) کرنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی جدوجہد کا مقصد کیا تھا؟ وہ کیا کرنے چلا تھا؟ اس نے کہاں سے آغاز کیا؟ اور کہاں تک اپنے مقصد کو حاصل کیا؟ اس اعتبار سے یہ آیت نبی کریمؐ کی دنیوی کامیابی کو سمجھنے کے لئے کلید کا درجہ رکھتی ہے۔

ii- انسان وہی کہلانے کا حق دار ہے جس کا کوئی نہ کوئی مقصدِ زندگی ہو۔ مقاصد گھٹیا بھی ہوتے ہیں اور اعلیٰ بھی۔ اعلیٰ ترین مقصد تھا جنابِ نبی کریمؐ کی بعثت کا یعنی دینِ حق کی سربلندی :

میری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

ہمیں بھی اپنی سعی وجہد کے لئے اسی مقصد کو اہم ترین مقام دینا چاہیئے۔

iii- یہ آیت نبی اکرمؐ کی اس شان کو ظاہر کرتی ہے کہ آپ پر صرف نبوت ختم نہیں ہوئی بلکہ اس کی تکمیل بھی ہوئی ہے۔ آپؐ سے قبل رسولوں کا مقصد بھی دعوتِ حق پہنچانا اور دینِ حق کو غالب کرنے کی کوشش کرنا تھا لیکن آپؐ کا فرضِ منصبی نہ صرف دعوتِ حق کا پہنچانا بلکہ دینِ حق کو بالفعل غالب کر کے دکھانا تھا تاکہ نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت ہو جائے کہ اللہ کا دین قابلِ عمل ہے اور محض کوئی خیالی جنت (UTOPIA) نہیں ہے۔

iv- شاہ ولی اللہ دهلویؒ نے اپنی تصنیف ''اِزَالَةُ الْخَفَا عَنْ خِلَافَةِ الْخُلَفَاء''میں

اس آیت کو نبی کریم ﷺ کے مقصد بعثت کے تعین کے ضمن میں مرکزی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔

v- مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس آیت کو بین الاقوامی انقلاب کا عنوان قرار دیا ہے۔

vi- اس آیت کے فہم کے بغیر نبی اکرمؐ کی بعثت کی تکمیلی شان کو سمجھنا ناممکن ہے۔ ہر نبی کی بعثت کی اساسی غرض و غایت دعوت و تبلیغ اور تربیت و تزکیہ ہوتی ہے۔ اس مرحلہ میں برائی کا جواب اچھائی سے دیا جاتا ہے (حم السجدہ: **34**)۔ البتہ چونکہ نبی اکرمؐ آخری نبی ہیں لہٰذا آپؐ کی بعثت کی تکمیلی شان ہے دینِ حق کو غالب کرنا۔ اس مرحلہ میں برائی کا جواب ویسی ہی برائی سے دیا جائے گا (الشوریٰ: **40**)۔ جن لوگوں نے بعثتِ نبویؐ کی اساسی اور تکمیلی شان کے فرق کو نہیں سمجھا وہ آپؐ کی سیرت کے فہم کے حوالے سے ٹھوکریں کھاتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً مغربی مفکرین کو آپؐ کی مکی زندگی تو نبوی نظر آتی ہے لیکن مدنی زندگی میں آپ کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر انتشارِ ذہنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ **6**ھ میں بظاہر دب کر صلح حدیبیہ کرتے ہوئے وہ آپؐ کو نبوی رنگ میں دیکھتے ہیں لیکن **8**ھ میں ابوسفیان کی عاجزانہ درخواست کے باوجود آپؐ کی طرف سے صلح کی تجدید نہ کرنا انہیں سمجھ نہیں آتا۔ حالانکہ معاملہ واضح ہے۔ آپؐ کا مقصد تھا دینِ حق کو غالب کرنا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جس وقت جو طرزِ عمل مفید تھا آپؐ نے اُسی کو اختیار فرمایا۔

vii- **هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ** کے الفاظ نبی اکرمؐ کے لئے قرآنِ حکیم میں تین مرتبہ وارد ہوئے ہیں (التوبہ: **33**، الفتح: **28** اور الصّف: **9**)۔ اللہ کے لئے الفاظ اور اسالیب کی کمی نہیں، لیکن جب اللہ ایک ہی اسلوب، ایک ہی ترتیب اور ایک جیسی اصطلاحات کے ساتھ کوئی حقیقت بار بار بیان فرمائے تو اس سے نہ صرف آیت کے مضمون بلکہ اس کے الفاظ کی اہمیت بھی

واضح ہوتی ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ اس آیت کے ہر لفظ پر غور کیا جائے۔

آیت پر غور و فکر :

رَسُوْلَهٗ :

اس آیت میں پہلا اہم لفظ ہے ''رَسُوْلَهٗ'' یعنی اللہ کا رسول۔ رسول تو آپؐ سے پہلے بھی بہت سے آئے (الاحقاف: **9**) لیکن رسالت آپؐ کی ذات پر آ کر درجۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ آپؐ سے قبل رسول کسی خاص قوم کی طرف اور کسی خاص دور کے لئے تھے لیکن آپؐ کی رسالت اب تمام نوعِ انسانی کی طرف ہے (الاعراف: **158**) اور آپؐ کی رسالت قیامت تک کے ادوار کے لئے ہے۔ ہر نبی کا کوئی خاص لقب ہے جیسے **اٰدمُ صفیُّ اللہِ، نوحٌ نجیُّ اللہِ، ابراھیمُ خلیلُ اللہِ، اسمٰعیلُ ذبیحُ اللہِ، موسٰی کلیمُ اللہِ، عیسٰی روحُ اللہِ** لیکن نبی اکرمؐ کا لقب ہے **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ** (الفتح: **29**)۔

الھدٰی :

اس سے مراد ہے کامل ہدایت۔ قرآنِ حکیم اپنے لئے بار بار ہدایت کا لفظ استعمال کرتا ہے (البقرۃ: **2**، **185**، بنی اسرائیل: **9**)۔ دراصل قرآن ہی کامل ہدایت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان آہستہ آہستہ فکری بلوغت **(maturity)** کی منازل طے کرتا کرتا نبی اکرمؐ کے دور میں عقل و شعور کی پختگی اور ذہنی ارتقاء **(intellectual evolution)** کی آخری منزل کو پہنچ گیا۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی رائے کے مطابق تمام فلسفۂ حیات **600** ق م سے لے کر **600**ء تک کے دور میں پیش کیے گئے۔ جب انسان جو کچھ سوچ سکتا تھا، اس نے سوچ لیا تو اللہ نے **610**ء میں قرآن کا نزول شروع کیا اور اس کی صورت میں انسان کو نہ صرف مکمل ہدایت نامہ دیا بلکہ اسے قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا (الحجر: **9**)۔ تورات، زبور اور انجیل میں عبوری دور **(interim period)**

کے لئے حسبِ ضرورت ہدایات تھیں۔ اللہ نے ان کتابوں کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا کیوں کہ ہدایت کا مکمل اور حتمی (Final) ایڈیشن قرآن کی صورت میں آنا باقی تھا۔

دینِ حق:

دین کا لغوی مفہوم ہے بدلہ (الفاتحہ : 3)۔ اس کا اصطلاحی مفہوم ہے :

i- قانون/ضابطہ -- کیوں کہ بدلہ کسی قانون ہی کے تحت طے ہوتا ہے جیسے
دِیْنُ الْمَلِکِ یعنی بادشاہ کا قانون (یوسف :76)

ii- نظام -- کیوں کہ قانون نظام کے تحت بنتا ہے جیسے
یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ ہوجائے نظام پوری طرح سے اللہ کے لئے (الانفال : 39)

iii- اطاعت -- کیوں کہ نظام وہی ہے جس کی اطاعت کی جارہی ہو جیسے
اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ - جان لو اللہ کے لئے ہے خالص اطاعت (الزمر : 3)

- ایسے نظام کو جس میں قانون سازی کا اختیار عوام کے منتخب نمائندوں کو دے کر ان کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کیا جائے ''دینِ جمہور'' کہا جاتا ہے۔
- ایسے نظام کو جس میں قانون ساز بادشاہ کو مان کر اس کی اطاعت کی جائے ''دین الملک'' کہا جاتا ہے۔
- ایسے نظام کو جس میں قانون ساز اللہ کو مان کر اس کے عطا کردہ قوانین کو نافذ کیا جائے ''دین اللہ'' کہا جائے گا۔

گویا دین سے مراد وہ نظامِ حیات ہے جو جملہ معاملاتِ زندگی یعنی انفرادی و اجتماعی تمام معاملات میں رہنمائی کے لئے قوانین وضوابط وضع کرے اور ان کی روشنی میں بدلہ یعنی جزا و سزا کا تعین کرے۔ دین زندگی کے انفرادی گوشوں عقائد، عبادات اور رسومات کے ساتھ ساتھ اجتماعی گوشوں سیاست، معیشت اور معاشرت کے لئے بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔
دینِ حق سے مراد ہے حق کا دین ۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ ہی کو حق کہا گیا ہے

(الحج :6 ، النور :25)۔ گویا دینِ حق کا مفہوم ہے اللہ کا دین۔ دینِ حق کا ذکر اس آیت میں قرآن سے علیحدہ ہوا ہے کیوں کہ یہ قرآنِ حکیم اور سنتِ رسولؐ کا مجموعہ ہے۔ اسی حوالہ سے دستورِ پاکستان میں قراردادِ مقاصد کے بہت ہی مناسب الفاظ ہیں :

''کوئی قانون سازی ایسی نہ ہوگی جو قرآن وسنت سے متصادم ہو''

نبی اکرمؐ کے دور میں جہاں انسان فکری اعتبار سے پختگی کو پہنچ گیا وہیں اس نے تمدنی ارتقاء (**social evolution**) کے عروج کو بھی حاصل کرلیا۔ غار، قبیلہ اور شہری زندگی کے مراحل سے ہوتا ہوا انسان ریاست کی سطح تک پہنچ گیا۔ اب اسے صرف انفرادی اخلاقی تعلیمات ہی کی نہیں بلکہ اجتماعی زندگی کے بعض نازک معاملات کے لئے عادلانہ رہنمائی درکار تھی۔ مثلاً مرد وعورت، فرد و اجتماعیت اور محنت وسرمایہ کے درمیان متوازن اور عادلانہ حقوق وفرائض کا تعین کیسے کیا جائے۔ تمدنی ارتقاء کی اس بلندترین سطح پر اللہ نے اسلام بطورِ دینِ حق عطا فرمایا اور سورۂ حدید کی آیت 25 میں اسے میزان یعنی عدل کا مظہر قرار دیا۔ یہ نظام عورت اور مرد، فرد اور اجتماعیت اور آجرو اجیر کے حقوق وفرائض کے درمیان کامل توازن اور آزادی و مساوات کے حسین امتزاج کی مثال ہے۔

لِیُظْهِرَهٗ:

اس کے چار معانی ہوسکتے ہیں :

1- اللہ غالب کردے دینِ حق کو　2- اللہ غالب کردے اپنے رسولؐ کو
3- رسولؐ غالب کردیں دینِ حق کو　4 - رسولؐ غالب کردیں اللہ کو

ترجمہ کسی بھی طرح کیا جائے لیکن مقصود ایک ہی ہے۔ نبی اکرمؐ کا غلبہ بھی دینِ اسلام کا غلبہ تھا کیوں کہ آپؐ کوئی شخصی یا خاندانی حکومت قائم فرمانے نہیں آئے تھے۔ اسی طرح عالمِ واقعہ میں اللہ کے غلبہ سے مراد اللہ کے نظامِ اطاعت ہی کا غلبہ ہے۔ پھر خواہ یہ منزل

اللہ کے ذریعہ سر ہو یا رسول اللہ ؐ کے ذریعہ، بات ایک ہی ہے۔ عالمِ واقعہ میں یہ کام رسول اللہ ؐ نے کرنا تھا اور عالمِ حقیقت میں اللہ نے (الانفال آیت 17)

عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ :

نبی اکرم ؐ کا مقصدِ بعثت ہے نظامِ عدلِ اجتماعی کو کل کے کل نظامِ زندگی پر اس طرح غالب کرنا کہ کوئی گوشۂ زندگی اس سے مستثنیٰ نہ رہے۔ اسلام مذہب نہیں دین ہے۔ قرآن وحدیث کے وسیع ذخیرے میں اسلام کے لئے مذہب کی اصطلاح استعمال نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ دین کی اصطلاح آئی ہے (آلِ عمران: 19، المائدہ: 3)۔ مذہب کا تعلق صرف انفرادی زندگی سے ہوتا ہے جبکہ دین کا تعلق انفرادی و اجتماعی دونوں زندگیوں سے۔ مذہب محض چند عقائد، مراسمِ عبودیت اور رسومات کا مجموعہ ہے جبکہ دین میں ان سب کے ساتھ ساتھ سیاست، معیشت اور معاشرت سے متعلق بھی ہدایات ہوتی ہیں۔ کسی ملک میں ایک ساتھ کئی مذاہب پر عمل ممکن ہے لیکن اجتماعی نظام یا دین ایک ہی ہوگا۔ کسی ملک میں اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام یا ملوکیت اور جمہوریت ایک ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں اسلام بطورِ دین نافذ تھا جبکہ عیسائیت، یہودیت وغیرہ بطورِ مذہب موجود تھے۔ دورِ انگریز میں اسلام بھی محدود ہو کر محض مذہب کی حیثیت سے موجود رہا جس پر اقبال نے کہا:

ملا کو جو ہند میں ہے سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

نبی اکرم ؐ صرف آخری رسول ہی نہیں تھے بلکہ آپ ؐ پر رسالت کی تکمیل بھی ہوئی لہٰذا نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت کے لئے ضروری تھا کہ آپ ؐ کے ہاتھوں دینِ حق کے غلبہ کی منزل اس طرح سر ہو کہ زندگی کے ہر گوشہ میں مثالی عدل کی نظیر قائم ہو جائے۔ الحمدللہ آپ ﷺ نے 21 برس کی سخت اور کٹھن محنت کے ذریعہ یہ منزل سر کی اور رہتی دنیا کے

لئے ایک مثالی نظام قائم کر کے اتمامِ حجت کا حق ادا کر دیا۔ نظامِ عدلِ اجتماعی کے بارے میں انسان جس جس اعلیٰ قدر (**value**) کا تصور کرے گا اسے آپ ؐ کے قائم کردہ نظام میں موجود پائے گا۔ بقول اقبال:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
زاں کہ از خاکش بروید آرزو
یا زِ نورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ست

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ :

ہر دور میں شرک کے دو نظام موجود رہے ہیں۔ ایک مذہبی شرک اور دوسرا سیاسی شرک۔ مذہبی شرک کے پیشوا پنڈت، پادری، پروہت، پجاری اور پیر بن کر عوام کی محنت کی کمائی سے نذرانے اور چڑھاوے وصول کرتے رہے اور سیاسی شرک کے سردار بادشاہوں کے روپ میں **Divine rights of kings** کا تصور دے کر عوام سے خراج وصول کرتے رہے۔ دونوں استحصالی عناصر کا ہمیشہ گٹھ جوڑ رہا۔ بادشاہ مذہبی پیشواؤں کو **His Holiness** کی سند دیتا رہا اور مذہبی پیشوا بادشاہوں کو **Defenders of the faith** کا اعزاز دیتے رہے۔

اسلام نے مذہبی شرک کے سدباب کے لئے توحید کا ایسا تصور دیا کہ خالق ومخلوق میں حائل تمام واسطوں اور وسیلوں کی نفی کر دی:

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

سورۂ بقرہ آیت 186 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جب بھی کوئی دعا کرنے والا اللہ سے مانگتا ہے تو اللہ نہ صرف اس کی پکار کو سنتا ہے بلکہ اس کا جواب دیتا ہے۔

اسی طرح اسلام سیاسی شرک کے ابطال کے لئے حاکم مطلق صرف اللہ کو قرار دیتا ہے(یوسف:**40**) :

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اسلام نے انسانوں کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر صرف اور صرف اللہ کی غلامی کے رنگ میں رنگ دیا اور بادشاہت کے بجائے خلافت کا تصور دیا۔ اب جن لوگوں کے مفادات پر اسلام کی انقلابی دعوت کی ضرب پڑتی ہے، اُن کے لئے اس دعوت کا پھیلنا ناگوار ہوتا ہے :

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ
گراں ہے اے نبیؐ مشرکین پر وہ (دین کا غلبہ) جس کی طرف
آپؐ دعوت دے رہے ہیں (الشوریٰ :**13**)

مشرکین نے نظامِ عدل کے قیام کی راہ میں ہر رکاوٹ کھڑی کی۔ نبی اکرمؐ اور آپ کے ساتھیوں کو اذیت ناک الزامات اور طعنے بھی سننا پڑے، تشدد بھی برداشت کرنا پڑا، جانوں کے نذرانے بھی پیش کرنا پڑے، اونٹ کی اوجڑی عین حالتِ سجدہ میں آپؐ پر ڈالی گئی، طائف کے بازار میں سرِ عام لہولہان کیا گیا، غارِ ثور میں پناہ لینی پڑی، بدر کے میدان میں بے سروسامان ساتھیوں کے ساتھ اترنا پڑا، میدانِ اُحد میں خود مجروح ہو کر بیہوش ہوئے اور کئی ساتھیوں کے لاشے دیکھنا پڑے، غزوۂ احزاب میں پیٹ پر پتھر باندھنا پڑے اور تب کہیں جا کر دینِ حق غالب ہوا۔

یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ نبی اکرمؐ کا مشن محض وعظ ونصیحت اور درس وتدریس نہ تھا۔ آپؐ کا مشن انقلابی تھا جس کا مقصد نظامِ باطل کو جڑ سے اکھاڑنا اور اس کی جگہ نظامِ عدل کو قائم فرمانا تھا۔ آپؐ نے محض انذار، تبشیر اور تزکیہ وتربیت ہی نہ کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ساتھیوں کو میدان میں لاکر باطل سے ٹکرایا اور ایک مثالی نظام قائم کر دیا۔ آپؐ کے

برپا کیے ہوئے انقلاب کے نتیجہ میں ایک منتشر قوم ایک منظم قوم میں بدل گئی۔ ان پڑھ لوگ معلم بن گئے۔ پوری دنیا کے لئے ایک نیا تمدن یا نظامِ مملکت وجود میں آیا اور ایسی تبدیلی واقع ہوئی کہ زندگی کا ہر گوشہ ہی بدل گیا۔

یہ بات تو واضح ہوگئی کہ نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت ہے غلبۂ دینِ حق۔ البتہ یہ اللہ کی سنت ہے کہ اس مشن کی تکمیل کے لئے نبی کے ساتھ ایک جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک وقت میں اللہ کے دو رسول موجود تھے یعنی حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ لیکن دینِ حق غالب نہ ہوسکا اس لئے کہ قوم نے اس مشن کے لئے ساتھ دینے سے انکار کر دیا (المائدہ رکوع:**4**)۔ سورہ صف کی بقیہ آیات میں اس مشن کے لئے جماعت تیار کرنے کے لئے مختلف اسالیب سے غلبۂ دین کی جدوجہد کے لئے مال اور جان لگانے کی دعوت دی جارہی ہے۔

آیات : 1 تا 4

غلبۂ دینِ حق کے لئے جہاد کی دعوت - ترہیب کے انداز میں

☆ آیت : 1 :

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ -- پاکی بیان کی اللہ کی ہر اس شے نے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے -- وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ --اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

- سَبَّحَ - یُسَبِّحُ کے لغوی معنی ہیں تیرانا یعنی کسی شے کو اس کے اصل مقام پر برقرار رکھنا اور اصطلاحی معنی ہیں پاکی بیان کرنا۔ تسبیحِ باری تعالیٰ سے مراد اس حقیقت کو بیان کرنا ہے کہ اللہ ہر کمی، ہر عیب، ہر نقص، ہر احتیاج اور ہر کمزوری سے پاک ہے۔
- لفظ ''مَا'' کے استعمال سے ''کل مکان'' (**Space**) کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان مدنی سورتوں میں تین بار ماضی کا صیغہ سَبَّحَ (سورۂ حدید - سورۂ حشر

-سورۂ صف کے آغاز میں) اور تین ہی بار مضارع کا صیغہ یُسَبِّحُ (سورۂ جمعہ و سورۂ تغابن کے آغاز اور سورۂ حشر کے آخر میں) استعمال کر کے ''کل زمان'' (**Time**) کا احاطہ کیا گیا ہے۔

- کائنات کی ہر شے زبانِ حال سے اپنے خالق کی صناعی اور کمالِ تخلیق کا اعلان تو کر ہی رہی ہے لیکن اسے اللہ نے قوتِ گویائی بھی دی ہے جس سے وہ تسبیحِ قولی بھی کر رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ط (بنی اسرائیل: 44)

''ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔''

- اس آیت میں اللہ کی دو صفات عزیز اور حکیم بیان ہوئی ہیں۔ عزیز کی صفت اللہ تعالیٰ کے اختیارِ مطلق کو ظاہر کرتی ہے یعنی اللہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ البتہ وہ حکیم بھی ہے یعنی اپنے اختیارات کو حکمت کے ساتھ استعمال فرماتا ہے اور کسی پر کوئی ظلم نہیں فرماتا۔
- یہ آیت سورۃ کی پرشکوہ تمہید ہے جو بیان کر رہی ہے کہ اے مسلمانو! ایک ایسا خالق تم سے مخاطب ہے جس کی تسبیح ارض وسماء کی ہر شے کر رہی ہے۔ اگلی آیت اس حقیقت کی طرف رہنمائی کر رہی ہے کہ جہاں تک خالق کی تسبیح کا تعلق ہے تو یہ عمل تو جملہ مخلوقات انجام دے رہی ہیں، انسان یعنی اشرف المخلوقات سے تو اللہ کو کچھ اور مطلوب ہے :

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل

یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدامست
یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

☆ آیات : 2-3 :

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا -- اے وہ لوگو جو ایمان لائے -- **لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ** -- تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟ -- **كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ** -- اللہ کے نزدیک بڑی ہے یہ بات بیزار کرنے کے اعتبار سے -- **اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ** -- کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں۔

- اس آیت میں قول وفعل کے تضاد پر جھنجھوڑا جا رہا ہے۔ مسلمان کلمہ پڑھ کر دعوٰی کرتا ہے کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے اور وہی اس کا معبود ہے۔ اب اگر معاشرے میں بالفعل اللہ کی بڑائی نافذ نہ ہو اور مسلمان اپنے گھر بار، ملازمت، کاروبار اور ضروریاتِ دنیا ہی میں مشغول ہوں تو یہ طرزِ عمل اس کے دعوٰی کے برخلاف اور اللہ کو ناراض کرنے والا ہے۔ اسی طرح کلمہ پڑھ کر ایک مسلمان اعلان کرتا ہے کہ وہ محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور تمام انسانوں سے محبوب ترین ہستی سمجھتا ہے۔ اب اس دعوٰی کا تقاضا ہے کہ اس کا وقت، توانائیاں اور مال اسی مشن کے لئے لگ رہا ہو، جو مشن تھا جناب نبی کریم ﷺ کا۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

- مقتاً کا لفظ عربی زبان میں شدید ترین بیزاری کے لئے آتا ہے۔ اگر کوئی شخص توقع پر پورا نہ اتر رہا ہو تو اس پر غصہ آتا ہے اور جس سے اب خیر کی توقع ہی نہ رہے اس سے

بیزاری ہو جاتی ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو مسلمان قول وفعل کے تضاد میں مبتلا ہوتے ہیں وہ اللہ کے کس قدر غیض وغضب کا شکار ہو جاتے ہیں۔

☆ آیت: 4 :

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ --بلاشبہ اللہ تو محبت کرتا ہے اُن سے-- یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ --جو جنگ کرتے ہیں اس کی راہ میں -- صَفًّا -- جم کر صف درصف -- کَاَنَّھُمْ

بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ -- گویا کہ وہ ہیں سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔

- یہ آیت ظاہر کر رہی ہے کہ اللہ کے نزدیک انسان کا محبوب ترین عمل قتال فی سبیل اللہ ہے۔ بقول اقبال:

مقامِ بندگی دیگر مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی
چنا خود را نگہ داری کہ بایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستاں خواہی

- قتال فی سبیل اللہ دراصل جہاد فی سبیل اللہ کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کے ابتدائی مراحل طے کرتے ہوئے ایسی منظّم جماعت کی صورت اختیار کریں جو اس طرح سے ڈٹ کر اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے جنگ کرے گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔
- اسلام کے فلسفۂ اخلاق میں خانقاہی نظام کے برعکس اعلیٰ ترین نیکی وہ عمل ہے جو قتال فی سبیل اللہ کی طرف لے جائے۔ اللہ کی محبت محض تسبیح وتحمید اور ذکر واذکار سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں آنا ہوتا ہے (البقرۃ:177، آلِ عمران: 146، الاحزاب: 23)۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"مَنْ مَّاتَ وَ لَمْ یَغْزُ ، وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ ،مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنْ نِّفَاقٍ"

"جس کی موت اس حال میں واقع ہوئی کہ نہ اُس نے کبھی (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ ہی اُس کے دل میں اس کی آرزو پیدا ہوئی تو اس کی موت ایک طرح کے نفاق پر واقع ہوئی۔" ﴿مسلم﴾

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری ؓ
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

- قتال فی سبیل اللہ کی طرف لے جانے والی راہ پر چلنا اس وعدے کو نبھانے کے لئے ضروری ہے جو ہر مسلمان کلمہ پڑھ کر اللہ کے ساتھ کرتا ہے۔ اس وعدے کا ذکر سورۂ توبہ آیت 111 میں ان الفاظ میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں جنت کے عوض وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں (کافروں کو) اور قتل کئے جاتے ہیں"

- سورۂ بقرۃ آیت 154 اور سورۂ آلِ عمران آیت 169 کی روشنی میں جو لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں، انہیں مردہ تصور کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ ہمیش کی زندگی عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ کی راہ میں شہادت کی اہمیت درج ذیل حدیثِ مبارکہ سے بھی واضح ہوتی ہے:

لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیَا ثُمَّ اُقْتَلُ (بخاری)

"میری تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے

اور پھر قتل کیا جاؤں۔''

اللہ کے رستہ کی جو موت آئے مسیحا
اکثیر یہی ایک دوا میرے لئے ہے

آیات : 5 تا 8

بنی اسرائیل کا غلبۂ دینِ حق کے لئے جہاد سے اعراض
مسلمانوں کے لئے عبرت

مسلمانوں سے قبل بنواسرائیل تقریباً دو ہزار برس تک اُمت کے منصب پر فائز رہے۔انہوں نے اس دوران شریعت پر عمل اور نفاذِ شریعت کے لئے جدوجہد کے حوالے سے ایسی پہلوتہی کا مظاہرہ کیا کہ اللہ ان سے ناراض ہوا اور انہیں اُمت کے منصب سے معزول کر دیا۔ان آیات میں بنواسرائیل کے تین ادوار کا ذکر بطورِ عبرت کیا جا رہا ہے۔

☆ آیت:5 :

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ --اور (یاد کرو) جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا -- یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ --کہ اے میری قوم کے لوگو! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو -- وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ --حالانکہ تم جانتے ہو -- اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ --کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں -- فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ --پھر جب اُن لوگوں نے کجروی اختیار کی اللہ نے بھی اُن کے دل ٹیڑھے کر دیئے -- وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ -- اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

- اس آیت میں تاریخِ بنواسرائیل کے اس دور کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰؑ بنفسِ نفیس ان کے درمیان موجود تھے اور انہوں نے موسیٰؑ کو اذیت سے دوچار کیا۔موسیٰؑ کو

ان کی قوم کی طرف سے ذاتی اعتبار سے بھی اذیت کا سامنا ہوا (احزاب:69) لیکن یہاں اُس اذیت کی طرف اشارہ ہے جو قوم نے جہاد فی سبیل اللہ سے اعراض کر کے موسیٰؑ کو پہنچائی۔اس کا ذکر سورۃ المائدہ کے چوتھے رکوع میں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے بنواسرائیل کو فرعون کے چنگل سے آزاد کرایا' صحرائے سینا میں بنواسرائیل کو کئی مادی نعمتیں عطا کی گئیں اور پھر تورات کی صورت میں عظیم روحانی نعمت دی گئی۔اب حضرت موسیٰؑ نے قوم کو فلسطین پر قابض ایک مشرک قوم کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دی۔قوم نے کورا جواب دیا کہ ''اے موسیٰؑ آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں ہم یہاں پر بیٹھے رہیں گے''۔موسیٰؑ کو قوم کے اس جواب پر اس قدر رنج ہوا کہ آپ نے اللہ کی بارگاہ میں فریاد کی :

رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ
اے میرے رب! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا،تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے (المائدہ:25)

- سورۂ صف کے عمود کے اعتبار سے ضمنی لیکن ایک اہم نکتہ اس آیت میں فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔اس نکتہ کا تعلق اللہ کے قانونِ ہدایت وضلالت سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں نیکی و بدی کی پہچان رکھ دی ہے اور اسے اختیار دیا ہے کہ چاہے تو نیکی کا راستہ اختیار کرے اور چاہے بدی کا (الدھر: 3)۔اب جو شخص جس راستہ پر چلتا ہے تو اس کے لئے وہی راہ آسان کر دی جاتی ہے (اللیل: 5 - 10)۔اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ زبردستی کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔جو شخص خود گمراہی کی طرف چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس راستہ پر ڈھیل

دے دیتا ہے۔

گمراہی کے طرف جانے کے دو حصہ ہیں۔ بندہ کا ارادہ اور اللہ کی طرف سے اذن۔ قرآن میں کہیں ایک حصہ بیان ہوا اور کہیں دوسرا۔ دوسرا حصہ قرآن میں ان الفاظ میں بیان ہوتا ہے۔ ''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی'' (البقرۃ : 7) یا '' جسے اللہ گمراہ کردے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں'' (الرعد :33)۔ جب دوسرا حصہ بیان ہوتا ہے تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ جب اللہ ہی نے گمراہ کردیا تو اس میں انسان کا کیا قصور۔ اس آیت میں دونوں حصے بیان کرکے اللہ نے شیطانی وسوسے کا ازالہ فرمادیا یعنی فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۔ جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کردیا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

''بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو وہ سیاہی دور کردی جاتی ہے اور توبہ کے بجائے گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے، یہی رَین (زنگ) ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم (المطففین :14) میں ہے۔'' (ترمذی)

☆ آیت :6 :

وَاِذْ قَالَ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ -- اور (یاد کرو) جب حضرت مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا -- یَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ -- اے بنی اسرائیل! -- اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُم -- بلاشبہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں -- مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرَاةِ -- تصدیق کرتا ہوں اس (کتاب) کی جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات کی -- وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ -- اور بشارت سناتا ہوں ایک رسول کی -- یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی -- جو میرے بعد آئیں گے -- اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ -- جن کا نام احمد ہوگا -- فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ -- پھر جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے --

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ -- کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

- اس آیت میں تاریخ بنی اسرائیل کا دوسرا دور بیان ہوا ہے جب ان میں سلسلۂ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے بے شمار حسی معجزے عطا کیے تھے (آلِ عمران :49 ، المائدہ :110)۔ بنی اسرائیل کی اکثریت نے ان معجزات کو جادو قرار دیا اور کیونکہ جادو کرنا شریعت میں کفر ہے لہٰذا علمائے بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ کے خلاف مرتد اور پھر واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا اور اپنے تئیں آپؑ کو مصلوب کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ نے آپؑ کو محفوظ رکھا (النساء :157 - 158)۔
- اس آیت میں بھی سورۃ کے اصل موضوع کے اعتبار سے ضمنی طور پر لیکن ایک اہم مضمون بیان ہوا ہے یعنی عیسیٰؑ کا مقام ومرتبہ۔ آپؑ کی دو صفتیں اس آیت میں بیان ہوئیں۔

i- آپ شریعتِ موسویؑ کے مجدد ہیں۔ آپ نے تورات کی شریعت ہی کو برقرار رکھا اور اس میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔ انجیل کے **Sermon of the mount** میں آپ کا یہ جملہ موجود ہے :

Do not think I have come to destroy law.

گویا آپ کی تشریف آوری شریعتِ موسویؑ کو پھر سے زندہ اور قائم کرنے کے لئے تھی۔ شریعت کو حضرت عیسیٰؑ کے بعد سینٹ پال نے ساقط کیا اور تثلیث اور کفارہ کے بدترین عقائد گھڑ کر عیسائیت کی صورت مسخ کردی۔

ii- آپؑ نبی کریمؐ کی آمد کے مبشر ہیں۔ انجیل میں آج بھی وہ عبارات موجود ہیں جن میں نبی کریمؐ کی آمد کی خوشخبری دی گئی ہے۔ مثلاً انجیل برناباس میں ہے :

''مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاء کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈالے گا کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے'' (باب 17)

''رہا میں، تو اس وقت میں دنیا میں اس رسول خدا کے لئے راستہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے لئے نجات لے کر آئے گا'' (باب 42)

''میں دراصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں مگر میرے بعد مسیح آئے گا، خدا کا بھیجا ہوا، تمام دنیا کی طرف، جس کے لئے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے، اس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی، اور اس کی رحمت نازل ہوگی'' (باب 83)

''اس مسیح کا نام قابل تعریف (احمد) ہے۔ کیونکہ خدا نے جب اس کی روح کو پیدا کیا تھا تو اس کا یہ نام خود رکھا تھا'' (باب97)

الطاف حسین حالی نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں کیا خوب کہا ہے :

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دُعائے خلیل اور نوید مسیحا

حضرت عیسیٰؑ کے انہیں اقوال کی بنیاد پر شاہِ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت جعفرؓ سے جب رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سنیں تو کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں اور وہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریمؑ نے دی تھی (مسند احمد)

قرآن کریم اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ جناب نبی کریمؐ کا ذکر تورات اور انجیل میں موجود تھا (الاعراف :157) اور اہل کتاب نبی کریمؐ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے (البقرۃ :146، الانعام :20)۔ اس سے بڑھ کر قرآن کریم توراۃ اور انجیل میں صحابہ کرامؓ کے ذکر کی موجودگی کو بھی بیان کرتا ہے (الفتح :29)۔

◄ احمد کے معنی ہیں وہ جو اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو یا جس کی تعریف

سب سے زیادہ کی گئی ہو۔ نبی کریم ﷺ کے ناموں میں سے احمد بھی ایک نام تھا (متفق علیہ)۔ عرب کا لٹریچر اس بات سے خالی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے قبل کسی کا نام احمد رکھا گیا ہو اور آپ ﷺ کے بعد اس نام کے اس قدر لوگ ہو گزرے ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔

☆ آیت: 7 :

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ -- اور اُس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے -- **وَھُوَ یُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ** -- جبکہ اُسے بلایا جا رہا ہے اسلام کی طرف -- **وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ** -- اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت میں تاریخِ بنو اسرائیل کے تیسرے دَور کا ذکر ہے جب کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوگئی۔ بنو اسرائیل نبی اکرم ﷺ کی آمد کے کئی برس سے منتظر تھے۔ ان کی کتابوں میں آخری رسول کی بعثت کا مقام کھجوروں والی زمین کو قرار دیا گیا تھا جس سے مراد ہے مدینہ۔ اسی لئے ان کے تین قبیلے مدینہ میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ وہ مدینہ میں آباد عرب قبیلوں اوس اور خزرج کو آخری نبیؐ کی آمد اور اُن کی قیادت میں اپنے غلبہ کی خبریں سنایا کرتے تھے (البقرۃ : 89)۔ البتہ جب نبی کریم ﷺ کی آمد ہوئی تو یہود کو حسد ہوگیا کہ آخری نبی بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل میں سے کیوں آئے ہیں اور انہوں نے جھوٹ کا سہارا لے کر آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ ان کی دروغ گوئی کی کئی مثالیں قرآنِ کریم میں بیان کی گئیں مثلاً :

i - اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل ہی نہ کیا (الانعام :92)

ii - ہم سے تو عہد لیا گیا ہے کہ رسول پر ایمان اس وقت تک نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آگ آ کر کھا جائے (آلِ عمران : 183)

iii - یہودی یا نصرانی بن جاؤ ہدایت پا جاؤ گے (البقرۃ:135)

iv - جنت میں صرف یہودی یا نصرانی ہی داخل ہوں گے (البقرۃ:111)

اس طرح یہود نے اپنے تکبر اور حسد کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا انکار کیا اور عذاب سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی مہلت اور آخری موقع کا فائدہ نہ اٹھایا (بنی اسرائیل:8)۔

☆ آیت: 8 :

يُرِيْدُوْنَ -- وہ چاہتے ہیں کہ -- لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ -- بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے -- وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ -- اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا -- وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ -- خواہ کافر اسے ناپسند کریں۔

- اس آیت میں بنو اسرائیل کی ان سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو وہ دینِ اسلام کے خلاف کر رہے تھے۔ یہود اپنے حسد کی وجہ سے نہ صرف قبولیتِ حق سے محروم رہے بلکہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت میں دیگر کفار سے بھی آگے نکل گئے۔ قرآنِ کریم نے انھیں اہل ایمان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے (المائدہ:82)۔
- اس آیت میں یہ بات ظاہر کر دی گئی کہ بنو اسرائیل مسلمانوں کے خلاف کبھی بھی کھلے میدان میں آ کر مقابلہ نہ کریں گے۔ اس کی وجہ وہ بزدلی تھی جو اُن میں حق سے اعراض کی بنا پر پیدا ہوئی تھی۔ وہ مسلمانوں کا مقابلہ قلعوں میں محصور ہو کر اور دیواروں کے پیچھے سے کرتے رہے (الحشر:14) یا سازشوں کے ذریعے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف اُبھار کر دینِ حق کو مٹانے کے کوشش میں لگے رہے۔ ان سازشوں کو اللہ تعالیٰ نے پھونکوں سے تعبیر کیا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں یہ بات واضح کر دی گی کہ ان کی یہ ساری سازشیں ناکام ہوں گی۔ بقول مولانا ظفر علی خان :

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

- اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فیصلہ کا اعلان فرما دیا کہ وہ دین کو غالب کر کے رہے گا۔ چنانچہ یہود کی تمام تر مخالفتوں اور سازشوں کے باوجود 8ھ میں فتحِ مکہ کے ساتھ ہی دینِ حق کا غلبہ ہوا اور باطل نابود ہو کر رہ گیا (بنی اسرائیل:81)۔
- آج بھی دشمنانِ اسلام، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہیں لیکن یہ آیت خوشخبری دے رہی ہے کہ بالآخر اللہ کا دین ہی غالب ہوگا :

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

کفار اسلام کے خلاف سازشوں کر رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اپنی تدبیر بھی کارفرما ہے اور وہ دین حق کے غلبے کا وعدہ پورا فرما کر رہے گا۔ تاہم عالم واقعہ میں اس کا ظہور اہل ایمان کے ہاتھوں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل ایمان کے ساتھ ہوتی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ کہ اہل ایمان اپنے اختیار کے مطابق جو کچھ کر سکتے ہوں وہ کر گزریں۔ اگر مسلمان اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے تن من دھن لگا دیں تو اللہ کی مدد ضرور ان کے شاملِ حال ہوگی (الحج:40 ، محمدؐ:7)۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

آیات: 10 تا 13

غلبۂ دینِ حق کے لئے جہاد کی دعوت - ترغیب کے انداز میں

☆ آیت 10 :

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا -- اے لوگو جو ایمان لائے ہو -- **ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ** --کیا میں تمہیں ایسی تجارت بتاؤں -- **تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ** -- جو تمہیں بچا لے دردناک عذاب سے۔

- اس آیت میں سوالیہ انداز اختیار کر کے ایک فطری اسلوب میں اہلِ ایمان کو متوجہ کیا گیا ہے۔ ہر انسان ایسی تجارت کا خواہش مند ہوتا ہے جس میں خسارے کا اندیشہ نہ ہو۔ یہاں ایسی تجارت کا ذکر کیا جا رہا ہے جو ہمیشہ ہمیش کے خسارے یعنی عذابِ الیم سے بچا لے گی۔ یہ ہی حقیقت بڑے جھنجھوڑنے کے انداز میں سورہ بقرۃ آیت **214**، سورۃ آلِ عمران آیت **142**، سورۃ توبہ آیت **16** اور سورہ عنکبوت آیت **2** میں بیان کی گئی ہے کہ عذابِ الیم سے نجات اور جنت کا حصول آسان نہیں، اس کے لئے محنت کرنا پڑے گی اور آزمائش کی بھٹیوں سے لازماً گزرنا پڑے گا۔
- تربیتی نقطۂ نگاہ سے یہ بڑا مفید اسلوب ہے کہ پہلے ایک سوال کیا جائے اور پھر اس کا جواب دیا جائے۔ حدیثِ جبرائیل میں حضرت جبرائیلؑ نے اللہ کے رسول ﷺ سے اسلام، ایمان، احسان اور قیامت کے بارے میں سوالات کیے اور آپ ﷺ نے جوابات دیے۔ آپ ﷺ اکثر یہ اسلوب اختیار فرماتے تھے۔

☆ آیت :11 :

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ -- ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر -- **وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ** -- اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے -- **ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** -- یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جان لو۔

آیت **10** میں بیان شدہ سوال کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ دردناک عذاب سے بچنے کے لئے دو کام کرنا ہوں گے :

ا- ایمانِ حقیقی کا حصول (النساء : **136**)

۲- مال اور جان سے جہاد فی سبیل اللہ (الحجرات :**15** ، الحج :**78**)

(ایمانِ حقیقی اور جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں تفاصیل اس سے قبل بیان ہو چکی ہیں)۔

☆ آیت :12 :

یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ -- وہ تمہارے گناہ بخش دے گا -- **وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** -- اور داخل کرے گا تمہیں اُن باغات میں بہتی ہیں جن کے دامن میں نہریں -- **وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ** -- اور اُن پاکیزہ مکانات میں جو ہمیشہ رہنے والے باغات میں ہیں -- **ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ** -- وہی ہے شاندار کامیابی۔

- آیت **11** میں بیان شدہ تقاضوں کو ادا کرنے والوں کے لئے اس آیت میں دو انعامات بیان کیے گئے ہیں :

  i - گناہوں کی معافی   ii - جنت کے پاکیزہ گھروں میں داخلہ
- اس آیت میں مزید فرمایا گیا کہ آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے :

  وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (الاعلیٰ : **17**)

بندۂ مومن کو دنیا کے نتائج سے لاتعلق ہو کر نگاہ آخرت کی کامیابی پر مرکوز کرنی چاہیئے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے فتحِ مکہ سے قبل شہادت کی سعادت حاصل کی۔ وہ دنیوی فتح نہ دیکھ سکے لیکن غلبۂ دین کی راہ میں جانیں نثار کر کے ہمیشہ ہمیش کی کامیابی سے فیض یاب ہو گئے۔ جو لوگ محض دنیوی نتائج کے طلب گار ہوتے ہیں وہ اکثر

مایوس کن حالات کی وجہ سے ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔فیض نے کیا خوب کہا ہے :

یہ فصل اُمیدوں کی ہمدم — اس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت صبح و شاموں کی — اب کے بھی اکارت جائے گی
دھرتی کے کونوں کھدروں میں — پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو
پھر مٹی سینچو اشکوں سے — پھر اگلی رُت کی فکر کرو
پھر اگلی رُت کی فکر کرو — جب پھر اِک بار اُجڑنا ہے
اک فصل پکی تو بھر پایا — جب تک تو یہی کچھ کرنا ہے

☆ آیت :13 :

وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا --اورایک دوسری کامیابی جسے تم پسند کرتے ہو -- نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ --اللہ کی طرف سے مدد اور قریبی فتح -- وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ --اور (اے نبی ﷺ) مومنوں کو (قریبی فتح کی) خوشخبری سنا دیجئے۔

- دنیا کی کامیابی کی اللہ کے نزدیک زیادہ اہمیت نہیں۔البتہ انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی محنتوں کے نتائج بھی اس کے سامنے ظاہر ہوں۔ اللہ نے اس آیت میں دنیوی فتح کی بھی بشارت دی ہے۔نبی کریم ﷺ کے دور میں دو سال میں ہی یہ بشارت پوری ہوئی اور دین غالب ہوگیا۔واضح رہے کہ سورۂ صف کا زمانۂ نزول 6 ہجری ہے جبکہ آج 8 ہجری میں مکہ فتح ہوگیا۔
- نبی اکرم کا مقصدِ بعثت ہے غلبۂ دینِ حق۔آپ ؐ کی رسالت روئے ارضی پر بسنے والی تمام نوع انسانی کے لئے ہے (الاعراف :158 ،سبا :28)۔ان دو نکات کا منطقی نتیجہ ہے کہ جب تک کل روئے ارضی پر دین حق کا غلبہ نہیں ہو جاتا اُس وقت تک آپ ؐ کا مقصد بعثت شرمندۂ تکمیل رہے گا۔ انسان کا اجتماعی شعور آج عالمی

ریاست (world state) اور عالمی نظام (world order) تک پہنچ گیا ہے۔

احادیث میں بشارت دی گئی ہے کہ یہ عالمی نظام دراصل دینِ حق کے غلبہ کا نظام ہوگا :

عَنْ نُعْمَانَ ؓ ابْنِ بَشِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَاشَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ اِذَاشَآءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ خَلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُوْنُ مَاشَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَاشَآءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَيَكُوْنُ مَاشَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيًّا فَتَكُوْنُ مَاشَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَاشَآءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ خَلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ (مسند احمد)

نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے مسلمانو!) نبوت تمہارے درمیان رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ (یعنی نبی کریم ﷺ کی بنفس نفیس موجودگی) پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت کا دور آئے گا، یہ دور بھی اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر اُسے اُٹھا لے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی جو اُس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر اسے بھی ختم کر دے گا۔ پھر مجبوری کا دور حکومت ہوگا جو اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا پھر اسے بھی ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر خلافت کا دور آئے گا۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔

عَنْ ثَوْبَانٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِىَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَاِنَّ اُمَّتِىْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِىَ لِىْ مِنْهَا (مسلم)

حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ دیا۔پس میں نے اس کے تمام مشرق و مغرب دیکھ لئے اور میری امت

کی حکومت زمین پر وہاں تک پہنچ کر رہے گی جو میرے لئے لپیٹ دی گئی۔

عَنِ الْمِقْدَادِ ؓ اَنَّه، سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ لَايَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَه، اللهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِيْلٍ اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّه، لِلّٰهِ (احمد)

حضرت مقداد ؓ راوی ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم ؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ کلمہ ٔ اسلام کو داخل نہ کر دے خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بدبخت کی مغلوبیت کے ذریعے یعنی اللہ تعالیٰ جن کو عزت عطا فرمائے گا انہیں کلمہ ٔ اسلام کا قائل بنا دے گا اور جن کو ذلیل فرمائے گا انہیں اس کے تابع فرما دے گا۔ حضرت مقداد ؓ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے (دل میں) کہا پھر تو یقیناً دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے گا۔

اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ ٔ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ ٔ توحید سے

آیت : 14

غلبہ ٔ دینِ حق کے لئے جہاد کرنے والوں کے لئے عظیم سعادت

اللہ کے مددگار ہونے کا اعزاز

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا --اے لوگو جو ایمان لائے ہو-- كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ --ہو جاؤ اللہ کے مددگار-- كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ --جیسا کہ پکارا تھا حضرت مریم کے بیٹے عیسیٰ ؑ نے اپنے ساتھیوں کو-- مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ --کون ہے میرا مددگار اللہ کے لئے-- قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ --ساتھیوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار-- فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ-- تو ایمان لے آیا بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ-- وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ --اور کفر کیا ایک گروہ نے-- فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ --پھر ہم نے مدد کی اُن کی جو ایمان لائے تھے اُن کے دشمن کے مقابلہ میں-- فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ --تو وہ غالب ہو گئے۔

- اس آیت میں اہلِ ایمان کو بہت بڑا اعزاز دیا جا رہا ہے کہ اگر وہ اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے جہاد کریں گے تو اللہ کے مددگار قرار پائیں گے۔ کہاں اللہ اور کہاں انسان۔ اللہ جو چاہے سو کر سکتا ہے لیکن ہمارے امتحان کے لئے اس نے دین کے تقاضے رکھے ہیں۔ اب جو کوئی ان تقاضوں کو پورا کرے گا وہ اللہ کا مددگار قرار پائے گا۔ سچے اہل ایمان نہ صرف خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کاربند ہوتے ہیں بلکہ عالم واقعہ میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ مال و جان کھپانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان کی قدر افزائی کی جاتی ہے اور اللہ انھیں اپنا انصار قرار دیتا ہے۔ بندے کے

لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی اونچا مقام نہیں ہوسکتا۔

- نصرت کے حوالے سے دو نسبتوں کا بیان ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی۔ دین اللہ کا ہے اور اس کے غلبہ کی جدوجہد رسول ؐ کا فرضِ منصبی ہے۔ ان دونوں نسبتوں کا بیان سورۂ حدید آیت **25** میں ہے۔ بظاہر ایک مسلمان رسول ؐ کی نصرت کر رہا ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی یہ نصرت اللہ کے لئے ہوتی ہے یعنی اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے۔
- اس آیت میں مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کے الفاظ بڑے اہم ہیں۔ غلبۂ دین کی جدوجہد کے لئے ایک اجتماعیت کا قیام ضروری ہے اور اسلام میں اجتماعیت کی اساس یہ ہی ہے کہ ایک اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر غلبۂ دین کے مشن کے لئے آواز لگائے۔ پھر لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے جماعت کے نظم کی پابندی کریں۔ جماعت سازی کے لئے شخصی بیعت کا یہ طریقہ ہی منصوص، مسنون، ماثور اور معقول ہے۔
- بنی اسرائیل کی تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید سے حضرت عیسیٰ ؑ کے نام لیوا دنیا میں غالب ہوئے اور ان کا انکار کرنے والے یہودی مغلوب ہوئے۔ **70**ء میں ٹائٹس رومی کے ہاتھوں اور **20** ویں صدی میں ہٹلر کے ہاتھوں ان پر عذاب الٰہی کے کوڑے برسے۔ اس وقت اگر یہود کی آزاد ریاست قائم ہوگئی ہے تو وہ بھی حضرت عیسیٰ ؑ کے نام لیواؤں کے سہارے ہی کھڑی ہے۔

منتخب نصاب حصّہ چہارم

درسِ چہارم: سورۂ جمعہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ (1)

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (2) وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (3) ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (4) مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (5) قُلْ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (6) وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ (7) قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْکُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (8)

☆ تمہیدی نکات:

۱- منتخب نصاب کے حصّہ چہارم کا درسِ چہارم سورۂ جمعہ پر مشتمل ہے۔

۲- سورۂ جمعہ مکی - مدنی سورتوں کے چھٹے گروپ کی دس مدنی سورتوں میں شامل ہے۔

ان سورتوں میں حسبِ ذیل خصوصیات ہیں:

- ان میں سے اکثر سورتوں کا زمانۂ نزول مدنی دور کا نصف ثانی ہے۔ اس دور میں امتِ مسلمہ کی تشکیل ہو چکی تھی اور ایک مسلم معاشرہ وجود میں آ چکا تھا، لہٰذا ان سورتوں میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کفار کا ذکر ضمنی طور پر ہے اور ان میں سے خصوصاً اہلِ کتاب کا ذکر ہے بطورِ عبرت۔ اہلِ کتاب مسلمانوں سے قبل امت کے منصب پر فائز تھے لیکن ان میں بعض ایسی اعتقادی اور عملی گمراہیاں آ گئیں جن کی وجہ سے اللہ اُن سے ناراض ہو گیا۔ ان سورتوں میں ہمیں

دعوتِ غور وفکر دی جا رہی ہے کہ ہم دیکھیں یہ گمراہیاں کن کن راستوں سے آئیں اور پھر ہم ان گمراہیوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں۔

- ان سورتوں میں ملامت اور جھنجھوڑنے کا انداز بہت نمایاں ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ مجموعی اعتبار سے مسلمانوں کے جذبۂ عمل میں کچھ کمی واقع ہو رہی ہے جس پر متوجہ کیا جا رہا ہے۔(حدید :8، 10، 16- ممتحنہ :1- صف :2، 3- جمعہ :11)
- ان سورتوں میں اہم مضامینِ قرآن کے خلاصے بیان کیے گئے ہیں۔
- ان سورتوں میں سے پانچ کا آغاز تسبیح باری تعالیٰ سے ہوا ہے اور انہیں مسبحات کہا جاتا ہے۔ سورۂ حدید - سورۂ حشر - سورۂ صف کے آغاز میں ماضی کا صیغہ سَبَّــــحَ آیا ہے اور سورۂ جمعہ - سورۂ تغابن کے آغاز میں مضارع کا صیغہ یُسَبِّـــحُ استعمال ہوا ہے۔ سورۂ حشر اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس کہ پہلی اور آخری آیت میں تسبیح کا بیان ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کی وجہ سے ان میں سے چھ سورتیں منتخب نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔ حصہ دوم میں سورۂ تغابن، حصہ سوم میں سورۂ تحریم، حصہ چہارم میں سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون اور حصہ ششم میں سورۂ حدید شامل ہے۔

۳- سورۂ جمعہ کا موضوع ہے ''حکمت و احکاماتِ جمعہ''۔ سورۂ جمعہ قرآنِ حکیم کی ان چند سورتوں میں سے ہے جن کے نام اور موضوع میں مطابقت پائی جاتی ہے۔

۴ - سورۂ جمعہ، سورۂ صف کا جوڑا ہے۔ سورۂ صف میں سیرت کا ایک رُخ بیان ہوا یعنی نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت - غلبۂ دینِ حق۔ سورۂ جمعہ میں سیرت کا دوسرا رُخ بیان ہوا یعنی غلبۂ دینِ حق کے لئے نبی اکرمؐ کا اساسی طریقۂ کار۔ کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لئے مقصد کا واضح شعور اور صحیح طریقۂ کار کا تعین بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ دونوں سورتیں ایک اہم تحریکی موضوع کی تکمیل کرتی ہیں۔

۵- مضامین کے اعتبار سے سورۂ جمعہ کی آیات کا تجزیہ اس طرح ہے :

آیات: 1 - 4 اجتماعِ جمعہ کی حکمت - قرآنِ حکیم کا پڑھنا/پڑھانا اور اس کی اہمیت

آیات: 5 - 8 تورات سے متعلق ذمہ داریوں سے یہود کا اعراض اور اس کی وجہ

آیات: 9 - 11 احکاماتِ وآدابِ جمعہ

۶ - قرآنِ حکیم کی ہر سورۃ کا ایک خاص مرکزی مضمون ہوتا ہے جو اس سورۃ کا عمود کہلاتا ہے۔ سورۃ کی ہر آیت عمود سے معنوی ربط رکھتی ہے۔ ہر آیت اپنی جگہ اللہ کے علم وحکمت کا خزانہ ہے لیکن جب اسے ایک سلسلۂ کلام کی لڑی میں پرو دیا جاتا ہے اور اس کا ربط مرکزی مضمون سے قائم کیا جاتا ہے تو حکمت ومعرفت کے نئے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ سورۂ جمعہ کا عمود ہے ''غلبۂ دین کے لئے نبی اکرمؐ کا اساسی طریقۂ کار'' جو کہ آیت: 2 میں بیان کیا گیا ہے۔

آیات پر غور وفکر

آیات : 1 تا 4

اجتماعِ جمعہ کی حکمت - قرآنِ حکیم کا پڑھنا/پڑھانا اور اس کی اہمیت

اجتماعِ جمعہ کی اصل حکمت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے ہفتہ میں ایک دن اپنے اوقات فارغ کر کے خالصتاً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ایک جگہ جمع ہوں اور ان کو قرآنِ حکیم کے ذریعہ نصیحت کی جائے۔ ہفتہ بھر میں دنیا داری کی وجہ سے قلوب پر دنیا کی محبت کا جو زنگ آجاتا ہے، تذکیر بالقرآن کے ذریعے سے اُسے صاف کر دیا جائے اور پھر سے اللہ کے احکامات اور آخرت کی تیاری کی یاد دہانی کرا دی جائے۔

☆ آیت : 1 :

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ -- پاکی بیان کرتی ہے اور کرے گی

اللہ کی ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے -- **اَلۡمَلِكِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ** -- جو کہ بادشاہ، پاکیزہ ذات، زبردست، حکمت والا ہے۔

- سَبَّحَ - يُسَبِّحُ کے لغوی معنی ہیں تیرانا یعنی کسی شے کو اس کے اصل مقام پر برقرار رکھنا اور اصطلاحی معنی ہیں پاکی بیان کرنا۔ تسبیحِ باری تعالیٰ سے مراد اس حقیقت کو بیان کرنا ہے کہ اللہ ہر کمی، ہر عیب، ہر نقص، ہر احتیاج اور ہر کمزوری سے پاک ہے۔
- لفظ ''مَا'' کے استعمال سے ''کل مکان'' (**Space**) کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان مدنی سورتوں میں تین بار ماضی کا صیغہ سَبَّحَ (سورۂ حدید - سورۂ حشر - سورۂ صف کے آغاز میں) اور تین ہی بار مضارع کا صیغہ يُسَبِّحُ (سورۂ جمعہ و سورۂ تغابن کے آغاز اور سورۂ حشر کے آخر میں) استعمال کر کے ''کل زمان'' (***Time***) کا احاطہ کیا گیا ہے۔
- کائنات کی ہر شے زبانِ حال سے اپنے خالق کی صناعی اور کمالِ تخلیق کا اعلان تو کر ہی رہی ہے لیکن اسے اللہ نے قوتِ گویائی بھی دی ہے جس سے وہ تسبیحِ قولی بھی کر رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰـكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ؕ (بنی اسرائیل: 44)

''ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔''

- اس آیت میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی چار صفات ایک ساتھ بیان ہوئی ہیں یعنی الملک (بادشاہِ حقیقی)، القدوس (پاکیزہ ہستی)، العزیز (زبردست) اور الحکیم (کمالِ حکمت

رکھنے والا)۔ ان چاروں صفات کا حسین ربط ہے نبی کریم ﷺ کی اُن چار شانوں سے جو اگلی آیت میں بیان ہوئی ہیں یعنی تلاوتِ آیات، تزکیہ، تعلیمِ کتاب اور تعلیم حکمت۔ گویا:

١ - اللہ بادشاہِ حقیقی ہے اور نبی کریم ﷺ اس کی آیات (فرامین) لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

٢ - اللہ پاکیزہ ہستی ہے اور نبی کریم ﷺ اللہ کے بندوں کو بھی پاکیزہ بنانے کی مبارک سعی فرماتے ہیں۔

٣ - اللہ زبردست ہے جو چاہے احکامات صادر فرمائے اور نبی کریم ﷺ اس کے احکامات لوگوں کو سکھاتے ہیں۔

٤ - اللہ حکیم و دانا ہے اور نبی کریم ﷺ اس کی عطا کردہ حکمت کی تعلیم لوگوں کو دیتے ہیں۔

☆ آیت : 2 :

هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ -- وہی ہے (اللہ) جس نے امیین میں ایک رسول ؐ بھیجے انہیں میں سے -- **يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ** -- جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں -- **وَيُزَكِّيۡهِمۡ** -- اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں -- **وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ** -- اور ان کو کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں -- **وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ** -- اور یقیناً پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

- یہ آیت اس سورۃ کا عمود ہے جس میں غلبۂ دین کے لئے نبی کریم ﷺ کے اساسی طریقۂ کار کو واضح کیا گیا ہے۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ نے تاریخِ انسانی کا ایک عظیم ترین انقلاب برپا کیا جس کی دو بے مثال شانیں ہیں:

۱ - آپ ﷺ کا برپا کردہ انقلاب ایک ہمہ گیر انقلاب تھا جس نے انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام گوشوں کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ اس انقلاب کے نتیجہ میں ایک طرف لوگوں کے افکار، اقدار، نظریات، عقائد، عبادات اور رسومات میں تبدیلی واقع ہوئی اور دوسری طرف اجتماعی اعتبار سے نظامِ سیاست، معیشت اور معاشرت تبدیل ہوگئے۔ انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس کا بظاہر بڑا شہرہ ہے لیکن انقلابِ فرانس کے ذریعہ صرف نظامِ حکومت بدلا اور انقلابِ روس کے ذریعہ صرف نظامِ معیشت میں تبدیلی واقع ہوئی۔

۲ - نبی کریم ﷺ نے صرف ایک ہی **Life span** اور **21** برس کے مختصر عرصے میں انقلاب برپا کر دیا جس کی اور کوئی مثال تاریخِ انسانی میں نہیں۔

مندرجہ بالا دو نکات اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ انقلاب کے طریقۂ کار اور مراحل کو جاننے کا واحد ذریعہ صرف اور صرف سیرۃ النبی ﷺ کا مطالعہ ہے۔ اس مطالعہ کے ذریعہ ہمیں انقلاب کے مندرجہ ذیل چھ مراحل سمجھ میں آتے ہیں :

۱ - دعوت (**Preaching**) یعنی کسی انقلابی نظریہ کی نشر و اشاعت جو اجتماعی نظام کے سیاسی، معاشی یا معاشرتی پہلو میں سے کسی ایک کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرے۔

۲ - تنظیم (**Organization**) یعنی دعوت قبول کرنے والوں کو منظّم کر کے ایک انقلابی پارٹی بنانا۔

۳ - تربیت (**Training**) یعنی منظّم ہونے والوں کی انقلاب کی نوعیت کے اعتبار سے تربیت کرنا۔

۴ - صبرِ محض (**Passive Resistance**) یعنی مناسب قوت کی فراہمی تک ہر طنز و تشدد کے مقابلہ میں جوابی اقدام کیے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔

۵ - اقدام (**Active Resistance**) یعنی مناسب قوت و اسباب فراہم ہوتے ہی نظامِ باطل کی کسی دُکھتی رگ کو چھیڑنا۔

۶ - مسلح تصادم (**Armed Conflict**) یعنی اقدام کے نتیجہ میں نظامِ باطل کی طرف سے پیش آنے والے ردِ عمل کا پامردی سے مقابلہ کرنا۔

انقلاب برپا کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کا طریقۂ کار مندرجہ بالا مراحل پر مشتمل تھا جن کے دوران انقلابی عمل کی رفتار اس قدر تیز دکھائی دیتی ہے کہ نگاہیں عام طور پر تصادم و قتال کے مراحل پر ہی مرکوز ہو جاتی ہیں اور اس انقلابی عمل کی پشت پر کارفرما وہ بنیادی طریقۂ کار نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ افراد کی وہ جماعت فراہم ہوئی جس نے مندرجہ بالا مراحل میں جان و مال کی قربانیاں دے کر بالفعل انقلاب برپا کیا؟ اس بنیادی طریقہ کار کو سورۂ جمعہ کی آیت **2** میں بیان کیا گیا ہے۔

اس حوالے سے اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے :

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

یہ بنیادی طریقہ کار ہی تھا کہ جس کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے وہ رجالِ کار تیار کیے جنہوں نے بے مثال قربانیاں دے کر اقامتِ دین کی منزل سر کی اور جن کے بارے میں قرآن نے کہا :

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿﴾ (الاحزاب :**23**)

مومنوں میں کتنے ہی جواں مرد ہیں کہ جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا تھا اُس کو سچ کر دکھایا تو اُن میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہوگئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔

• اس آیت میں بیان کردہ مضمون کی اہمیت یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں چار بار یکساں اصطلاحات کے ساتھ بیان فرمایا :

۱ - سورۃ البقرۃ آیت **129** میں حضرت ابراہیمؑ وحضرت اسمٰعیلؑ کی دعا اس طرح سے آئی :

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلاً مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَةَ وَيُزَکِّيۡهِمۡ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَکِيۡمُ ﴿﴾

''اے ہمارے رب تو بھیج ان (ہماری اولاد) میں ایک رسولؐ انہیں میں سے جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے، کتاب اور دانائی سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے''۔

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دُعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

۲ - سورۃ البقرۃ آیت **151** میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے مندرجہ بالا دعا کی قبولیت کا اعلان فرمادیا :

کَمَا اَرۡسَلۡنَا فِيۡکُمۡ رَسُوۡلاً مِّنۡکُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡکُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَکِّيۡکُمۡ وَيُعَلِّمُکُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَةَ وَيُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿﴾

''ہم نے تم میں تمہیں میں سے ایک رسولؐ بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، تمہارا تزکیہ کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے''۔

۳ - سورۂ آلِ عمران آیت **164** میں اللہ نے مومنوں پر اپنے ایک احسان کو ان الفاظ میں بیان فرمایا :

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلاً مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَکِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡکِتَابَ وَالۡحِکۡمَةَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِيۡ ضَلَالٍ مُّبِيۡنٍ ﴿﴾

''اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ اُن میں اُنہیں میں سے ایک رسولؐ بھیجے جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے''۔

۴ - سورۂ جمعہ کی آیت **2** ''مرکزی مضمون'' کی حیثیت سے لاکر اس مضمون کی اہمیت دوچند کردی گئی ہے۔

آیت پر غور و فکر

• **هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ** میں **هُوَ الَّذِیۡ** سے مراد ہے اللہ یعنی وہ ہستی جس کی تسبیح کررہی ہے کائنات کی ہر شے اور جو کہ بادشاہِ حقیقی، پاکیزگی کا سرچشمہ، زبردست اور کمالِ حکمت والی ہے۔ اس ہستی نے بھیجا نبی کریم ﷺ کو۔

• **اُمِّيّٖنَ** جمع ہے **اُمِّی** کی۔ اس کا مفہوم ہے بطنِ مادر سے برآمد ہونے والا۔ یہ لفظ ایسے شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو۔ جیسے سورۂ بقرہ آیت **78** میں کہا گیا :

مِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتَابَ

'' ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے''

اصطلاحی طور پر یہ لفظ قرآنِ مجید (آلِ عمران : **20**) میں اہلِ کتاب کے مقابلہ میں قریش کے لئے آیا ہے کیوں کہ قریش اللہ کی عطا کردہ کتاب اور شریعت کے علوم سے ناواقف تھے۔ یہود بھی طنزاً غیر یہود کو اُمیین کہا کرتے تھے (آلِ عمران: **75**)۔

اللہ نے یہود کے اس غرور کا سر توڑنے کے لئے فرمایا کہ ہم نے امیین ہی میں سے ایسے رسولؐ کو اٹھایا ہے جو اب پوری نوعِ انسانی کو احکاماتِ الٰہی اور اعلیٰ ترین اقدار کی تعلیم دیں گے۔

- مِنۡهُمۡ کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قریش میں سے تھے اور یہ سعادت قریش اور نوعِ انسانی کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت **95** میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر زمین پر فرشتے بس رہے ہوتے تو ہم کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیتے۔
- یَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ لوگوں پر اللہ کی آیات تلاوت فرماتے ہیں۔ آیت کے معنی ہوتے ہیں نشانی۔ اس کے ذریعہ سے انسان کے قلب میں موجود ایمان تازہ اور شعور کی سطح پر اجاگر ہو جاتا ہے۔ مکی دور میں قرآنِ حکیم میں ایسی آیات نازل ہوئیں جن کے ذریعہ اصحاب خیر کے دل نورِ ایمان سے منور ہو گئے۔ وہ شرک، الحاد اور مادہ پرستی سے تائب ہو گئے۔ توحید ان میں سرایت کر گئی، دنیا کی حقیقت مچھر کے پر سے بھی کم ہو گئی، فکرِ آخرت ان پر طاری ہو گئی اور رسالت کو وہ نوعِ انسانی کے لئے ایک عظیم رحمت سمجھنے لگے۔
- وَ يُزَكِّيۡهِمۡ کے معنی ہیں آپ ﷺ ایمان لانے والوں کا تزکیہ کرتے ہیں یعنی ان کے قلوب واذہان کو غلط نظریات اور نفسانی امراض سے پاک کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے آیاتِ قرآنیہ، اپنے فقر وغنا اور ارشادات سے صحابہ کرامؓ کے دلوں سے دنیا کی محبت کو کھرچ کھرچ کر نکال دیا۔ تمام باطنی بیماریاں (مثلاً مال و دولت کی ہوس، شہرت کی طلب، ذاتی اقتدار کی خواہش، حسد، کینہ، بغض، تکبر، بے قابو جنسی جذبات وغیرہ) اسی دنیا کی محبت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے حُبُّ الدُّنۡيَا رَأۡسُ كُلِّ خَطِيۡئَةٍ (بیہقی) -- دنیا کی محبت ہر خطا کی بنیاد ہے۔ آپ ﷺ

نے صحابہ کرامؓ کو تمام دنیوی خواہشات سے دور کر کے خالصتاً طالبِ عقبیٰ بنا دیا۔

- تعلیم کتاب میں کتاب سے مراد پورا قرآنِ حکیم بھی ہے اور اس کا ایک مفہوم حکم بھی ہے۔ یہاں اس سے مراد قرآنِ حکیم نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس سے قبل يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ میں قرآنِ حکیم کے پڑھنے پڑھانے کا ذکر ہو چکا۔ یہاں کتاب سے مراد حکم ہے جیسے سورۃ البقرۃ آیت **235** میں ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡكِتٰبُ اَجَلَهٗ

''اور نکاح کی گرہ نہ باندھو یہاں تک کہ عدت کا حکم اپنی مدت کو پہنچ جائے''

قرآنِ حکیم میں جب اللہ کی طرف سے احکامات آتے ہیں تو اس کے لئے كُتِبَ کا لفظ آتا ہے جیسے كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ یا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ وغیرہ۔ گویا نبی کریم ﷺ کی تیسری شان یہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں تک اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے احکامات پہنچاتے اور اُن پر عمل کرنا سکھاتے ہیں۔

- تعلیم حکمت سے مراد ہے مختلف امور کی حکمت سے آگاہ کرنا۔ حکمت کے معنی ہیں دانائی۔ اصطلاحی طور پر حکمت اُس بصیرتِ باطنی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اشیاء کی حقیقت کو دیکھا جاتا ہے۔ اس بصیرت سے جب انسان شریعت کے اسرار و رموز سمجھ لیتا ہے تو اسے احکاماتِ شریعت بوجھ نہیں بلکہ نعمت معلوم ہوتے ہیں۔ حکمت کی ایک تعریف یوں بھی کی جاتی ہے کہ وَضۡعُ الشَّيۡءِ فِيۡ مَحَلِّهٖ (ہر شے کو اس کے اصل مقام پر رکھنا)۔ یعنی اس کے ذریعہ سے انسان ہر عمل کی غرض و غایت بھی سمجھ جاتا ہے اور دین میں اس عمل کے اصل مقام اور مرتبہ کا تعین بھی کر لیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اللہ کے عطا کردہ احکامات کی غرض و غایت اور ان کے مقام و مرتبہ سے بھی آگاہ فرمایا جس سے صحابہؓ کو مختلف احکامات پر انشراحِ صدر حاصل ہوا اور انہوں نے خوشدلی سے ان احکامات پر ان کے مقام کی اہمیت کے مطابق عمل شروع کر دیا۔

اھم نکتہ :

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی چار شانیں بیان ہوئیں یعنی تلاوتِ آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت ۔ نبی کریم ﷺ نے ان چار امور کے ذریعہ وہ افراد تیار کیے جنہوں نے اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے تن من دھن لگایا۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ چاروں امور قرآنِ حکیم کے ذریعہ انجام دیئے یعنی آپ ﷺ کا آلۂ انقلاب ہے قرآنِ حکیم۔ آیئے ان میں سے ہر معاملہ کا قرآن سے تعلق سمجھتے ہیں :

۱ - تلاوتِ آیات بذاتِ خود واضح ہے کہ یہ عمل قرآن ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ قرآن ہی ''اَلْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَةُ'' ہے جس سے غافلین کے دل نرم ہوئے اور وہ آپ ﷺ کی دعوت کی طرف متوجہ ہوئے۔ قرآن نے نہ صرف دلوں کو نرم کیا بلکہ اپنی بیدار کن ندا سے لوگوں کے وجود میں ارتعاش پیدا کر دیا، بقول الطاف حسین حالی :

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

نبی کریم ﷺ کے خطبات تاریخ سیرت میں بہت کم ملتے ہیں۔ آپ ﷺ ہر موقع پر قرآن ہی کے ذریعہ وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ اللہ نے آپ ﷺ کو قرآن میں اسی کی تلقین فرمائی کہ تبلیغ کیجئے قرآن سے (المائدہ :67)، نصیحت کیجئے قرآن سے (ق: 45)، بشارت دیجئے قرآن سے (مریم : 97)، انذار کیجئے قرآن سے (مریم :97) اور جہاد کیجئے قرآن سے (الفرقان :52)۔

۲ - آپ ﷺ نے قرآن ہی کے ذریعہ نفوس کا تزکیہ کیا کیونکہ قرآنِ حکیم ہی ''شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ '' یعنی باطنی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ قرآن جب کسی کے وجود میں اتر جاتا ہے تو اس کی سوچ، فکر، اقدار اور کردار کو بدل کے رکھ دیتا ہے :

چوں بجا در رفت جاں دیگر شود

جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

نبی کریم ﷺ خود بھی تہجد میں رات کو کھڑے ہو کر ٹھہر ٹھہر کر تلاوتِ کلامِ پاک فرماتے تھے اور اسی کا حکم صحابہ کرامؓ کے لئے بھی تھا (المزمل : 20)۔ رات کو اٹھنا اور بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہونا ویسے ہی نفس کی ریاضت کے لئے بہت موثر ہے (المزمل : 6) اور ترتیل کے ساتھ تلاوتِ قرآن نے صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نقشہ ہی بدل دیا۔ بقول مولانا حالی :

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اقبال نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ :

کشتنِ ابلیس کارِ مشکل است
زاں کہ او گم اندر اعماقِ دلست
خوشتراں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

ہمارے مذہبی حلقوں میں تزکیۂ نفس کی اہمیت اگر باقی ہے تو صرف صوفیاء کے ہاں لیکن وہاں بھی اس کے لئے اکثر و بیشتر کچھ اور ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں اور قرآن کو اس مقصد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بقول اقبال :

صوفیء پشمینہ پوشِ حال مست
از شرابِ نغمۂ قوال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

۳ - تعلیمِ کتاب سے مراد ہے احکامات سکھانا۔ یہ عمل بھی نبی کریمؐ نے بنیادی طور پر قرآن

کے ذریعہ انجام دیا۔ مکی دور میں جو آیات نازل ہوئیں ان کا موضوع تھا ایمان اور اخلاقی ہدایات۔ ان کے ذریعہ سے جب صحابہ کرامؓ کا تزکیہ ہوگیا تو اب ان کے اندر آخرت کی جواب دہی کے احساس کے تحت عمل کا ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ وہ نبی کریمؐ سے مختلف امور کے بارے میں دریافت کرنے لگے جیسے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسَرِ ---اے نبیؐ وہ آپ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں (البقرہ :219)، یَسْئَلُوْنَکَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ --- اے نبیؐ وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کتنا انفاق کریں (البقرہ :219)، یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی --- اے نبیؐ وہ آپ سے پوچھتے ہیں یتیموں کے بارے میں (البقرہ :220) وغیرہ۔ اب مدنی قرآن میں احکاماتِ شریعت آنا شروع ہوئے جن کی مزید وضاحت آپ ﷺ نے اپنے ارشادات اور سنت کے ذریعہ پوری فرمائی۔

۴ - نبی کریمؐ نے حکمت کی تعلیم کے لئے بھی قرآن کو ذریعہ بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں حکمت بھی نازل فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

ذٰلِکَ مِمَّا اَوْحٰی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ

''(اے نبیؐ) یہ ہے اُن (ہدایات) میں سے جو آپؐ کے رب نے حکمت میں سے آپ کی طرف وحی کیا'' (بنی اسرائیل :39)

قرآن ہی میں اللہ نے فکری و عملی امور کی حکمت بھی بیان فرمادی ہے جیسے روزے کی عبادت کا مقصد ہے حصولِ تقویٰ (البقرۃ:183)، نماز کی عبادت کی غرض و غایت ہے ذکرِ باری تعالیٰ (طٰهٰ :14) وغیرہ۔

نبی کریم ﷺ کا بنیادی طریقہ کار:

- اس آیت کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ نے انقلابی عمل میں قربانیاں دینے کے لئے افراد کی تیاری کس طرح کی۔ آپ ﷺ نے قرآن کے

ذریعہ لوگوں کو متوجہ فرمایا۔ ان میں جو متوجہ ہوگئے آپ ﷺ نے قرآن ہی کے ذریعے ان کے افکار کی تطہیر اور ان کے قلوب کا تزکیہ کیا۔ اب جب اذہان شکوک وشبہات، مادہ پرستی، الحاد اور شرک سے پاک ہوگئے اور قلوب سے دنیا کی محبت نکل گئی تو پھر ان کو احکامات کی تعلیم دی۔ بالکل اسی طرح جیسے بیج ڈالنے سے قبل زمین کو تیار کیا جاتا ہے۔ اس تدریج کی وجہ سے بڑے سے بڑے احکامات پر بھی عمل آسان ہوگیا۔ ایک ہی حکم پر لوگوں نے شراب نوشی کی برسہا برس کی عادت کو چھوڑ دیا، سودخوری سے تائب ہوگئے، ستر وحجاب کے احکامات پر عمل شروع کردیا وغیرہ وغیرہ۔ بعدازاں آپ ﷺ نے جب ان احکامات کی حکمت سے آگاہ کیا تو اب عمل میں انشراحِ صدر کی وجہ سے اور ذوق وشوق پیدا ہوگیا۔

- کسی بھی انسان کی اصلاح کا یہ طریقہ ہی فطری ہے کہ کسی حکم پر عمل کی تلقین سے پہلے اس کی ذہن سازی اور قلوب کی صفائی کی جائے۔ اس کے قلوب و اذہان سے غلط افکار، الحاد، مادہ پرستی کو نکال کر انہیں نورِ ایمان سے منور کیا جائے۔ اب عمل کا معاملہ آسان ہوجائے گا اور اس کے لئے کسی منطقی استدلال کی ضرورت نہ ہوگی۔
- جس طرح ایک فرد میں تبدیلی کے لئے پہلے اس کے ذہن کو بدلنا ہوتا ہے، اسی طرح ایک معاشرے میں تبدیلی کے لئے بھی اس کے ذہین عناصر کے فکر و نظر کو بدلنا اولین اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ہر معاشرے میں ایک ذہین اقلیت ہوتی ہے جو معاشرے کا **Brain trust** کہلاتی ہے۔ جس طرح دماغ پورے جسم کو کنٹرول کرتا ہے اسی طرح یہ اقلیت بھی پورے معاشرے کو ایک فکر دیتی ہے اور معاشرہ اس کی پیروی کرتا ہے۔ اگر کسی معاشرہ میں انقلاب برپا کرنا پیشِ نظر ہے تو دعوت اس سطح کی حکمت اور دلائل پر مبنی ہونی چاہیئے جو معاشرہ کے اُن عناصر کو متاثر کردے جو ازخود معاشرے

میں **Leading role** (قائدانہ کردار) ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کے فکر ونظر کی تبدیلی کو انقلاب برپا کرنے کے لئے کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

- آج ہم بھی اگر اپنے معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں تو ہمیں بھی قریہ قریہ اور بستی بستی قرآن کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچانا ہوگا اور انہی کے ذریعہ قریب آنے والوں کا تزکیہ اور پھر ان کے عمل کی اصلاح کرنا ہوگی۔ البتہ حکمتِ قرآنی کو اس طرح سے سیکھنا اور عام کرنا ہوگا کہ معاشرے کو چلانے والے ذہین عناصر کو متاثر کر کے ان کے افکار ونظریات اور کردار کو بدلا جاسکے۔ عوام الناس ان کی پیروی میں اس تبدیلی کو قبول کرلیں گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ یعنی نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل قریش کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ بلاشبہ آپ ﷺ کی آمد سے قبل قریش ہی نہیں پوری نوعِ انسانی شرک، مادہ پرستی، غفلت اور گناہوں کے مہیب اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ نبی کریم ﷺ قرآنِ حکیم کے ذریعہ لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے نور کی طرف لے آئے (الحدید:9)۔ آج بھی ہر وہ فلسفہ، نظریہ، علم اور قانون جو قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے مطابق نہ ہو، سراسر گمراہی ہے خواہ وہ بظاہر کتنا ہی خوشنما معلوم ہو۔

☆ آیت : 3 :

وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ -- اور کچھ دوسرے بھی ہیں جو ابھی ان (امیین) کے ساتھ شامل نہیں ہوئے -- وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ -- اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

- نبی کریم ﷺ کی بعثت کے دو رخ ہیں۔ آپ ﷺ کی بعثت خصوصی ہے اہلِ عرب کے لئے جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا اور جن کو امیین کہا گیا اور آپ ﷺ کی بعثت عمومی ہے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے جن کو آخرین کہا گیا۔

جب یہ آیت اتری تو نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آخرین کون ہیں؟ آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ان کی قوم اور اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کا فرد اس تک جا پہنچے گا'' (متفق علیہ)۔

- اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ سے یہ حقیقت ظاہر ہو رہی ہے کہ امت محمدیہ ﷺ میں امیین کے ساتھ آخرین بھی شامل ہیں اور ان دونوں سے مل کر امتِ محمدیہ ﷺ وجود میں آئی ہے۔ اس امت میں بنی اسماعیل کی حیثیت ایک مرکز (**Necleus**) کی ہے جن کی تربیت خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی، پھر انہی کے ذریعے دیگر اقوام بھی اس اُمت میں شامل ہوتی گئیں۔

☆ آیت : 4 :

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ -- وہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے دیتا ہے -- وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ -- اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

- اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے نبی کریم ﷺ پر (بنی اسرائیل:87)۔ اسی کا مظہر ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو نہ صرف آخری رسول بلکہ سید الانبیاء والمرسلین کا مقام دیا، قرآن جیسا عظیم معجزہ عطا کیا اور دینِ اسلام کی آپ ؐ پر تکمیل فرمائی (المائدہ:3)۔ پھر یہ اعزاز ہے قریش اور اہلِ عرب کے لئے کہ نبی کریم ﷺ ان ہی میں سے تھے، ان ہی کی زبان میں قرآن وارشاداتِ نبوی ﷺ کا خزانہ ہے۔ اس کے بعد یہ فضل ہے امتِ مسلمہ کے ہر فرد پر کہ اللہ نے انہیں نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان لانے اور ان کے توسط سے قرآن جیسی کتابِ ہدایت سے استفادہ کی توفیق دے کر ہمیشہ ہمیش کی نعمتوں کے حصول کی راہ کھول دی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ
- یہ اللہ کے فضل ہی کا ظہور ہے کہ اللہ نے امت محمدیہ ﷺ کو خیر امت قرار دیا

(آلِ عمران :110) اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ اس امت کے سپرد کر دیا۔ اس فریضہ کی ادئیگی کا ذریعہ ہے قرآنِ حکیم۔ نبی اکرم ﷺ نے بذاتِ خود بھی قرآن ہی کے ذریعہ تبلیغ، تزکیہ اور اصلاح کا کام کیا اور ہمیں بھی اس کی تلقین فرمائی :

یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ مِنْ اٰنَاءِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَافْشُوْہُ وَ تَغَنَّوْہُ وَتَدَبَّرُوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعَجَّلُوْا ثَوَابَہٗ فَاِنَّ لَہٗ ثَوَابًا (بیھقی)

''اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ اور سہارا نہ بنالو، بلکہ رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے، اور اس کو پھیلاؤ اور اس کو خوش الحانی سے پڑھا کرو اور اس میں غور وفکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ اور اس کا فوری معاوضہ لینے کی فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا عظیم ثواب ملنے والا ہے۔''

◄ آپ ﷺ نے قرآن کی تبلیغ کے حوالے سے ہمارے لئے سہولت کا سامان اس ارشاد کے ذریعہ فرمایا کہ :

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً

''میری طرف سے پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت'' (بخاری)

آخری خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :

وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ کِتَابُ اللّٰہِ

''تمہارے درمیان ایسی شے چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک اس سے چمٹے رہے کبھی گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب (قرآن کریم)''۔ (مسلم)

قرآن سے چمٹنے کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اس کتاب کے حسبِ ذیل حقوق ادا کریں :

۱- قرآن مجید پر ایمان لانا ۲ - قرآن مجید کی تلاوت کرنا

۳ - قرآن مجید کو سمجھنا ۴ - قرآن مجید پر عمل کرنا

۵ - قرآن مجید کی تعلیمات دوسروں تک پہنچانا

ہماری دنیا میں عزت وذلت کا انحصار ان حقوق کی ادئیگی پر ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے :

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّ یَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کی بدولت قوموں کو عروج عطا کرے گا اور اس کتاب کو چھوڑنے کی وجہ سے ذلیل کر دے گا۔ (مسلم)

اسی طرح آخرت میں بھی ہماری نجات کا دارومدار قرآن کے حوالے سے ذمہ داریوں کی انجام دہی پر ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے :

''اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّکَ اَوْ عَلَیْکَ'' (مسلم)

قرآن تمہارے حق میں دلیل ہوگا یا تمہارے خلاف

اللہ ہمیں سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنی کتاب کی خدمت کی عظیم سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔ کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا :

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں (بخاری)

آیات : 5 تا 8

تورات سے متعلق ذمہ داریوں سے یہود کا اعراض اور اس کی وجہ

☆ **آیت : 5 :**

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ -- مثال اُن لوگوں کی جن پر تورات کی ذمہ داری ڈالی گئی -- **ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا** -- پھر انہوں نے اُس ذمہ داری کو نہیں نبھایا -- **کَمَثَلِ**

الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا -- گدھے کی مثال کی سی ہے جس نے کتابوں کا بوجھ اٹھایا ہو -- بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ -- بری ہے مثال اُس قوم کی جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا -- وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ -- اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

- مسلمانوں سے قبل یہود کو اللہ نے حاملِ کتاب بنایا اور ان پر کتاب کے فہم، اس پر عمل، اس کی تعلیمات کے نفاذ اور اس کی تبلیغ کی ذمہ داری ڈالی۔ بدقسمتی سے انہوں نے اس ذمہ داری سے اعراض کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿﴾

''اور جب اللہ نے اُن لوگوں سے جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی اِقرار لیا کہ (جو کچھ اس میں لکھا ہے) اُسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا تو انہوں نے اس کو پسِ پشت ڈال دیا اور لے لی اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت''۔ (آلِ عمران :187)

- سورۂ جمعہ کی اس آیت میں یہود کا ذکر ہمارے لئے بطورِ عبرت ہے۔ ایسی قوم کو گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جو حاملِ کتاب ہونے کے باوجود کتاب کی ذمہ داریاں ادا نہ کرے۔ گدھے پر اگر فلسفہ کی کتابیں لاد دی جائیں تو وہ اس سے فلسفی نہیں بن جاتا۔ اسی طرح جو قوم کتابِ الٰہی سے استفادہ نہ کرے اس کی مثال بھی گدھے کی سی ہے۔
- آیت کے دوسرے حصہ میں فرمایا کہ کتاب کی تکذیب کرنے والوں کی مثال تو گدھے سے بھی بدتر ہے۔ تکذیب کتاب کے دو مفہوم ہیں۔ ایک ہے تکذیبِ قولی

یعنی زبان سے کسی کتاب کو کتابِ الٰہی ماننے سے انکار کر دینا۔ دوسری ہے تکذیبِ عملی یعنی زبان سے تو کسی کتاب کو کتابِ الٰہی ماننا لیکن اس کی تعلیمات پر عمل نہ کرنا۔ یہود کا جرم تکذیبِ عملی کا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ تورات کو کتابِ الٰہی تسلیم کیا لیکن اس کتاب کے احکامات پر عمل کے حوالے سے حیلہ سازی اور پہلوتہی کی۔

- اس آیت میں ایسے لوگوں کو ظالم کہا گیا جو کتابِ الٰہی کی ذمہ داریاں ادا نہیں کرتے۔ کتابِ الٰہی سے ملنے والی ہدایت نوعِ انسانی کے لئے دنیا و آخرت میں باعثِ رحمت ہوتی ہے۔ جو لوگ اس ہدایت پر عمل نہ کریں اور اسے دوسروں تک نہ پہنچائیں وہ نوعِ انسانی کے حق میں بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔
- آج ہم مسلمان بھی قرآنِ کریم کے حوالے سے تکذیبِ عملی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور قرآنِ کریم کے بارے میں ہمارا طرزِ عمل یہود سے مختلف نہیں ہے۔ اسی کی خبر دی تھی نبی کریم ﷺ نے کہ :

لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِىْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ

''میری اُمت پر بھی لازماً وہی حالات آ کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے اُسی طرح جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے''۔ (ترمذی)

- آج قرآن کے حوالے سے ہمارا طرزِ عمل بھی انتہائی افسوسناک ہے۔ ہم نے قرآنِ حکیم کو محض حصولِ ثواب یا ایصالِ ثواب کا ذریعہ سمجھ لیا ہے اور اس پر عمل، اس کی تعلیمات کے نفاذ اور اس کی تبلیغ کی ذمہ داری سے مجرمانہ غفلت برت رہے ہیں۔ جدید علوم کے حصول کے لئے ہم عمر کا طویل حصہ اور وافر مال خرچ کرتے ہیں لیکن علومِ قرآنی سیکھنے کے لئے مال اور وقت کے ایثار کے لئے تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دنیا میں بھی رسوائی سے دوچار ہیں :

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

اور اگر ہم نے توبہ نہ کی اور قرآن کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں ادا نہ کیں تو آخرت میں بھی شدید خسارے کا اندیشہ ہے۔ (طٰهٰ: 124-126)

☆ آیت : 6 - 7 :

قُلْ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوا -- (اے نبیؐ) کہہ دیجئے اے وہ لوگو جو یہودی ہوئے -- اِنْ زَعَمْتُمْ -- اگر تم دعویٰ کرتے ہو -- اَنَّکُمْ اَوْلِیَاءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ -- کہ تم اللہ کے دوست ہو دیگر لوگوں کے سوا -- فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ -- تو آرزو کرو موت کی -- اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ -- اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو -- وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ -- اور وہ ہرگز آرزو نہ کریں گے موت کی بسبب اُن اعمال کے جو انہوں نے آگے بھیج رکھے ہیں -- وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ -- اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔

- اس آیت میں بتایا گیا کہ کتابِ الٰہی کے حوالہ سے ذمہ داریوں سے پہلو تہی کی وجہ وہ باطل خیال اور زعم ہے جو کسی نبی کی امت میں پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم تو بخشے بخشائے ہیں، اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور ہم تو جہنم سے بچا ہی لئے جائیں گے یہود اور عیسائی دعویٰ کرتے تھے کہ :

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ

''ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے بڑے محبوب ہیں'' (المائدہ :18)

لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی

''جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا مگر صرف یہودی یا عیسائی۔'' (البقرۃ :111)

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً

''ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن'' (البقرۃ : 80)

اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر واقعی تم اللہ کے محبوب ہو تو :

فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ

''اللہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے عذاب کیوں دیتا ہے'' (المائدہ :18)

آج ہم مسلمانوں کی سوچ بھی یہ ہے کہ :

خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں مولا تیرے محبوب کی امت میں ہیں

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزِ قیامت نجات کا انحصار کسی کے ساتھ نسبت پر نہ ہوگا (البقرۃ:255)۔ اس روز صرف اور صرف انسان کا عمل ہی انسان کے کام آئے گا۔ قرآنِ حکیم میں بار بار فرمایا گیا اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (تم بدلہ میں وہی دیے جاؤ گے جو عمل تم کرتے رہے)۔

- اللہ کی قربت کے حوالے سے یہاں ایک معیار انسان کو دیا گیا ہے۔ اگر واقعی وہ اللہ کا محبوب ہے تو دنیا میں کم سے کم جی لگائے اور موت کے تصور سے فرحت محسوس کرے۔ دنیا اسے ایک قید خانہ محسوس ہو :

''اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ''

یعنی دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔ (مسلم)

اگر ایسا نہیں ہے تو پھر انسان کو اپنے اعمال کا جائزہ لے کر اصلاح کرنی چاہیئے۔ یہ مضمون سورۂ بقرہ آیات 94 - 96 میں زیادہ مؤثر انداز میں آیا ہے اور وہاں یہود کے بارے میں فرمایا گیا :

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ وَّمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا

اورتم ضرور اُن کو پاؤ گے تمام لوگوں میں زندگی کا سب سے زیادہ حریص یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ (البقرہ : 96)

لیکن طویل عمر انہیں عذابِ الٰہی سے بچا نہ سکے گی :

وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ

’’مگر اتنی لمبی عمر اُس کو مل بھی جائے تو اُسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ رہا ہے‘‘ (البقرہ : 96)

آج امت مسلمہ بھی حب دنیا کے مرض میں مبتلا ہے اور موت سے انتہائی خائف ہے۔ اس کی وجہ ہماری بداعمالیاں ہیں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

’’یُوْشِکُ الْاُمَمُ اَنْ تُدَاعِیَ عَلَیْکُم کَمَا تُدَاعِیَ الْاَ کَلَةُ اِلَی قَصْعَتِهَا، فقالَ قَائِلٌ: وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ کَثِیْرٌ، وَلٰکِنَّکُمْ غُثَاءٌ کَغُثَاءِ السَّیْلِ، وَلَیَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّکُمُ الْمَهَابَةَ مِنْکُمْ، وَلَیَقْذِفَنَّ اللهُ فِی قُلُوْبِکُمُ الْوَهْنَ، فَقَالَ قَائِلٌ: یَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الْوَهْنُ؟

قَالَ: حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاهِیَةُ الْمَوْتِ‘‘

’’اندیشہ ہے کہ دیگر اقوام تمہارے خلاف (اقدام کے لئے) ایک دوسرے کو ایسے دعوت دیں گی جیسے ایک کھلانے والی اپنے دسترخوان کی طرف بلاتی ہے‘‘۔ پوچھا ایک پوچھنے والے نے ’’کیا اس روز ہم تعداد میں کم ہوں گے؟‘‘۔ آپ ﷺ نے فرمایا ’’بلکہ تم اس وقت بڑی تعداد میں ہو گے لیکن تم اس جھاگ کی مانند ہو گے جیسا جھاگ سیلاب کے پانی پر آجاتا ہے۔ اللہ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا کردے گا‘‘ پوچھا ایک پوچھنے والے نے

’’اے اللہ کے رسول ﷺ وہن کیا ہے؟‘‘۔ آپ ﷺ نے فرمایا ’’دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔‘‘ (ابوداؤد)

☆ آیت : 8 :

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ -- (اے نبیؐ) کہہ دیجئے یقیناً وہ موت جس سے تم گریز کرتے ہو -- فَاِنَّهٗ مُلَاقِیْکُمْ -- تو بے شک وہ تو تم سے ملنے والی ہے -- ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ -- پھر تم لوٹائے جاؤ گے ظاہر اور پوشیدہ کے جاننے والے (اللہ) کی طرف -- فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ -- تو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے (آلِ عمران : 185، الانبیاء : 35، العنکبوت : 57)۔ یہ اپنے معین وقت اور معین مقام پر آ کر رہے گی (السجدۃ : 11، النساء : 78)۔ جب موت کا وقت آجائے تو اسے پھر ٹالا نہیں جاسکتا (المنافقون: 11)۔ موت کے وقت آدمی کے لئے مہلتِ عمل ختم ہو جاتی ہے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ اللہ ہر ظاہر اور مخفی بات کا جاننے والا ہے۔ اسے ہمارے تمام اعمال اور نیتوں کا علم ہے اور وہ اسی حوالے سے ہمارا حساب لے گا۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا قَبْلَ الْمَوْتِ وَارْحَمْنَا عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَا تُعَذِّبْنَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَا تُحَاسِبْنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ آمین

آیات : 9 تا 11

احکاماتِ وآدابِ جمعہ

فضیلتِ جمعہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب سے اِس کائنات کو تخلیق کیا ہے تو اِس کی تقویم سات دنوں پر رکھی ہے۔ اِن سات دنوں میں اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن کو سب سے زیادہ مبارک اور سید الایام قرار دیا۔ ارشاداتِ نبویؐ ہیں :

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ’’ اِن دنوں میں سے جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن بہترین دن ہے۔ اِسی روز آدمؑ کو پیدا کیا گیا، اِسی دن اُنہیں جنت میں داخل کیا گیا، اِسی روز وہ جنت سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ ہی کے روز قائم ہوگی۔‘‘ (مسلم)

’’ جمعہ کے دن کو مسلمانوں کے لئے عید بنایا گیا ہے۔‘‘ (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ’’ جمعہ کے دن میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں مسلمان اگر بھلائی کی دعا مانگے تو اللہ اُسے وہ بھلائی عطا فرما دیتا ہے۔‘‘ (متفق علیہ)

جس طرح مادی نعمتیں ہمیں خاص اوقات میں ملتی ہیں مثلاً درخت پر پھل ایک خاص موسم میں آتا ہے، فصلیں ایک خاص موسم میں پکتی ہیں، اِسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی روحانی نعمتیں دینے کے لئے بھی کچھ اوقات مقرر کئے ہیں۔ مہینوں میں رمضان ہے، دنوں میں جمعہ ہے اور چوبیس گھنٹوں میں رات کا پچھلا پہر ہے۔

جمعہ کا دن ابتدا ہی سے اہمیت کا حامل تھا لیکن بدقسمتی سے یہود نے اِس معاملہ میں اختلاف کیا اور پھر اللہ نے اُن کے لئے جمعہ کے بجائے ہفتہ یعنی سبت کا دن عبادت کے لئے مقرر فرما دیا:

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّکَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿ (النحل : 124)

’’ ہفتے کا دن (عبادت کی غرض سے) تو اُنہی لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اِس میں اختلاف کیا اور آپؐ کا رب روزِ قیامت اُن معاملات کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ

اختلاف کرتے تھے۔‘‘

البتہ اِس حوالے سے ہماری اور یہود کی عبادت میں تین فرق ہیں :

1- یہود کے لئے سبت کے پورے دن کاروبارِ دنیا حرام اور اِس دن کو عبادتِ الٰہی میں بسر کرنا لازم تھا۔ ہمارے لئے صرف جمعہ کی اذان سے لے کر جمعہ کی نماز کے اختتام تک کاروبارِ دنیوی کی ممانعت ہے۔ یہ وقت ہمیں یادِ الٰہی میں صرف کرنا ہے۔

2- یہود کے ہاں سبت کے دن صرف انفرادی عبادت تھی جبکہ ہمارے لئے ایک اجتماعی عبادت طے کردی گئی ہے تاکہ سب کے سب لوگ ایک خاص وقت میں شہر کی جامع مسجد میں جمع ہوں، خطبہ سنیں اور نمازِ جمعہ ادا کریں۔

3- اللہ نے اجتماعِ جمعہ میں قرآن حکیم کے پڑھنے پڑھانے کو ایک خاص اہمیت کا حامل بنا دیا۔ اجتماعِ جمعہ میں اصل اہمیت خطبۂ جمعہ کی ہے۔ عام دنوں میں ظہر کی نماز کے چار فرض ادا کیے جاتے ہیں لیکن جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ نے فرض کی تعداد کم کر کے دو کردی اور خطبۂ جمعہ کو دو رکعت فرض کے قائم مقام کردیا اور خطبہ کا اصل مقصد یہ رکھا کہ اللہ کے جو بندے بھی جمع ہوں ان کو قرآنِ حکیم سنایا جائے اور اِس کے ذریعہ اُنہیں اللہ، اُس کے احکامات اور آخرت کی تیاری کی یاد دلائی جائے۔

☆ آیت : 9 :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا ...... اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ...... اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ ...... جب ندا لگائی جائے جمعہ کے دن نماز کے لئے ...... فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ...... تو تیزی کے ساتھ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف ...... وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ...... اور چھوڑ دو لین دین ...... ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ ...... وہ تمہارے حق میں بہتر ہے...... اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿ اگر تم اُس کو سمجھو۔

اذانِ جمعہ

اِذَا نُوْدِیَ میں ندا سے مراد ہے اذان دینا۔ اِس حوالے سے روایت ہے کہ :

حضرت سائب بن یزیدؓ روایت کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جمعہ کی پہلی اذان وہ تھی جو امام کے ممبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانوں میں بھی اِس پر عمل رہا۔ پھر جب حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہوگئے تو تیسری اذان بڑھائی گئی جو کہ مدینے کے بازاروں میں کہی جاتی تھی۔ (تیسری اذان سے مراد پہلی اذان ہے۔)'' (بخاری)

دورِ نبویؐ میں جب آپ ﷺ ممبر پر تشریف فرما ہوتے تھے تو ایک اذان کہی جاتی تھی جو اذانِ اوّل کہلاتی تھی۔ اِس کے بعد آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ خطبہ کے بعد اور نماز سے قبل جو اِقامت کہی جاتی تھی، اُس کو دوسری اذان کہا جاتا تھا یعنی اِقامت بھی اذان شمار ہوتی تھی۔ خلافتِ راشدہ کے دوران حضرت عثمانؓ کے دور میں باہمی مشورہ سے فیصلہ کیا گیا کہ جمعہ کے دن ایک اذان ذرا جلدی دے دی جائے تاکہ لوگوں کو اندازہ ہو کہ آج جمعہ کا دن ہے، وہ اذان سنتے ہی مسجد کی طرف روانہ ہوں اور خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہی مسجد پہنچ جائیں۔ پھر امام صاحب ممبر پر بیٹھیں اور دورِ نبویؐ کی طرح اذان دی جائے، خطبہ ہو، اِقامت کہی جائے اور نماز ادا کی جائے۔ گویا حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایک اور اذان یعنی دو اذانوں کا سلسلہ شروع ہوا اور اِقامت کو تیسری اذان کہا جانے لگا۔ امت کا اِس پر آج تک عمل اس لئے ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے :

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

''تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت۔'' (ابوداوٗد، ترمذی)

اِس حدیث کی رُو سے جس معاملہ پر خلفائے راشدین کے زمانے میں اجماع ہوگیا اِس پر عمل امت کے لئے لازم ہوگیا۔ یہ ہی وجہ ہے حضرت عثمانؓ کے دور سے آج تک دو اذانوں اور

ایک اِقامت کا سلسلہ قائم ہے۔

اِس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ میں ندا سے مراد پہلی اذان ہے۔ پہلی اذان کے بعد اپنی تمام مصروفیاتِ دنیوی کو ترک کر کے ہمیں مسجد کی طرف روانہ ہونا چاہیئے تاکہ خطبہ شروع ہونے سے قبل ہم مسجد میں پہنچ جائیں۔

نمازِ جمعہ کے لئے اوّل وقت حاضری

فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ کے الفاظ میں تاکید ہے کہ تیزی کے ساتھ جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ فَاسْعَوْا کا حکم واجب کے درجہ میں ہے یعنی جیسے ہی پہلی اذان ہو فوراً اپنے کام چھوڑ دو اور تیزی کے ساتھ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف۔ ارشاداتِ نبویؐ ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جمعہ کی نماز ہر اُس شخص پر فرض ہے جو جمعہ کی اذان سن لیتا ہے۔'' (ابوداوٗد)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ''جمعہ کی نماز اُس شخص پر واجب ہے جو جمعہ کی نماز پڑھ کر رات کو اپنے اہل وعیال میں پہنچ سکے۔'' (ترمذی)

حضرت طارق بن شہابؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ''جمعہ لازم ہے ہر مسلمان پر جماعت سے سوائے چار اشخاص کے یعنی غلام، عورت، نابالغ اور مریض۔'' (اگر یہ افراد جمعہ با جماعت ادا کرلیں تو جمعہ ادا ہو جاتا ہے اور نمازِ ظہر ساقط ہو جاتی ہے۔ ایک اور روایت میں مسافر کو بھی جمعہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔) (ابوداوٗد)

اِس حدیث میں اہم نکتہ یہ ہے کہ جمعہ لازم ہے ہر شخص پر جماعت کے ساتھ یعنی بغیر جماعت کے جمعہ کی نماز ادا نہیں ہوسکتی۔ البتہ شرعی عذر ہو تو اجتماعِ جمعہ میں حاضری کی رخصت ہے۔ شرعی عذر میں بیماری، مال وجان کا خوف، بارش وغیرہ شامل ہیں۔ اگر کسی کو نمازِ جمعہ کی جماعت نہیں مل سکی تو اُسے اب ظہر کی نماز ادا کرنی ہوگی۔

فَاسْعَوْا کے الفاظ کی روشنی میں ہمیں کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ ہم نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لئے

جلد از جلد مسجد پہنچیں اور اوّل اوّل اجتماعِ جمعہ میں شریک ہو جائیں۔ ارشاداتِ نبویؐ ہیں :

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ’’جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد میں آنے والوں کی حاضری لکھتے ہیں یعنی جو لوگ پہلے آتے ہیں اُنہیں پہلے اور جو بعد میں آتے ہیں اُنہیں بعد میں لکھتے ہیں۔ تو جو شخص دھوپ کے باوجود جمعہ کی نماز کے لئے پہلے گیا اُس کی مثال اُس شخص کی ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے ایک اونٹ پیش کیا اور جو شخص دوسری گھڑی میں آیا اُس کی مثال اُس شخص کی ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے ایک گائے پیش کی پھر جو شخص اِس کے بعد آتا ہے وہ اُس کی مانند ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں قربانی کے لئے ایک دنبہ پیش کیا پھر جو اِس کے بعد آتا ہے وہ اُس شخص کی مانند ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں مرغی پیش کی اور اس کے بعد جو آتا ہے وہ اُس شخص کی مانند ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں ایک انڈے کے ذریعے سے صدقہ کیا پھر اس کے بعد جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو فرشتے اپنے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں‘‘ (متفق علیہ)

گویا خطبہ کی اتنی اہمیت ہے کہ جب امام صاحب خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں تو فرشتے بھی اپنے اندراج کے رجسٹر بند کر دیتے ہیں اور بڑے ادب کے ساتھ خطبہ سنتے ہیں۔ اب جو شخص خطبہ شروع ہونے کے بعد مسجد میں آتا ہے تو اِس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اِس کا جمعہ تو ادا ہو جاتا ہے لیکن وہ جمعہ کی فضیلت اور برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ کتنی محرومی کی بات ہے کہ تھوڑی سی تاخیر کی وجہ سے ہم نے خود کو جمعہ کی سعادت سے محروم کر لیا اور ہمیں صرف وہی ثواب ملا جو ثواب ظہر کی نماز ادا کرنے کا ہے۔

اب یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر خطبہ سے مراد عربی خطبہ ہے یا اردو خطبہ۔ دورِ نبوی ﷺ میں تو صرف عربی خطبہ ہوتا تھا۔ خطبہ کا مقصد تھا تذکیر بالقرآن یعنی لوگوں کو اللہ، اُس کے احکامات اور آخرت کی یاددہانی کرانا۔ اُس وقت لوگ عربی زبان سمجھتے تھے لہذا

عربی کا خطبہ اُن کے لئے کفایت کرتا تھا۔ مسئلہ اُس وقت پیدا ہوا جب کہ اسلام کا دائرہ عجمی علاقوں میں پھیل گیا۔ یہاں کے لوگ عربی نہیں سمجھتے تھے لہذا تذکیر بالقرآن کا مقصد پورا نہیں ہو رہا تھا۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ہر علاقے میں ایک خطبہ دیا جائے مقامی زبان میں جس کے ذریعہ تذکیر بالقرآن کا عمل ہو اور بعد ازاں سنتِ نبوی ﷺ کو برقرار رکھتے ہوئے عربی خطبہ بھی دیا جائے۔ اِس کی صورت یہ اختیار کی گئی کہ پہلی اذان کے بعد کچھ دیر کا وقفہ کیا جائے تا کہ لوگ اذان سنتے ہی مسجد میں آ جائیں۔ اس کے بعد مقامی زبان میں خطبہ ہو، اذانِ ثانی دی جائے، مسنون طریقے سے عربی خطبہ ہو اور اِس کے بعد نماز ادا کی جائے۔ اب اجتماعِ جمعہ کا مقصد یعنی قرآن سے تذکیر کی سعادت اِسی صورت میں حاصل ہوگی جب ہم مقامی زبان کا خطبہ سنیں۔ لہذا متذکرہ بالا حدیث میں خطبہ کا مصداق مقامی زبان کا خطبہ ہوگا۔

جمعہ کے دن اول گھڑی میں مسجد جانے کا جو اجر مذکورہ بالا حدیث میں آیا ہے اس کی مزید شرح ایک اور حدیث میں ہے :

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ’’جمعہ کے روز فرشتے مسجد کے دروازوں پر پہنچ جاتے ہیں اور اُن کے پاس چاندی کے اوراق ہوتے ہیں جن پر وہ اندراج کرتے ہیں۔ پھر جس شخص کا معمول ہر جمعہ کو جلدی آنے کا ہو اگر وہ نہیں آتا تو فرشتے آپس میں سوال کرتے ہیں کہ فلاں شخص آج کیوں نہیں آیا، وہ تو ہمیشہ اوّل اوّل آتا ہے۔ پھر دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اگر اُسے کوئی ضرورت لاحق ہے تو اُسے غنی کر دے، اگر وہ بیمار ہے تو اُسے شفا عطا فرما، اگر وہ کسی کام میں مصروف ہو گیا ہے تو اُسے فراغت دے دے اور اگر کسی کھیل تماشے کی وجہ سے رک گیا ہے تو اُسے اپنی یاد کی طرف راغب فرما دے‘‘۔ (کنز العمال)

گویا فرشتوں کی دعاؤں میں ایسا شخص شامل ہو جاتا ہے جو جمعہ کے دن اوّل وقت میں مسجد آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے ہم جمعہ ادا کریں بڑے اہتمام کے ساتھ یعنی اوّل وقت مسجد پہنچیں اور پورے کا پورا خطبہ سنیں تا کہ اِس سے ہمیں استفادہ حاصل کرنے کی سعادت

نصیب ہو۔

جمعہ کے لئے حاضری کے آداب

نبی کریم ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں اجتماعِ جمعہ میں شرکت کے آداب سکھائے ہیں:

حضرت عبیدؓ بن السباق روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے بارے میں فرمایا کہ ''اے مسلمانو کی جماعت! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِس دن کو مسلمانوں کی عید قرار دیا۔ پس اِس میں غسل کیا کرو، خوشبو پاس ہو تو وہ بھی لگایا کرو اور مسواک کو بھی ضروری سمجھو۔'' (ابنِ ماجہ)

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ جمعہ کے دن غسل کریں اور خوشبو لگائیں۔ اگر خوشبو نہ ہو تو پانی اُس کے لئے خوشبو ہے۔''
(مراد ہے کہ غسل سے بھی جسم پر سے بو اور میل کچیل دور ہو جاتی ہے۔) (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا کہ ''تم میں سے کسی پر کیا حرج ہے اگر وہ اپنے اور روز مرہ کے محنت کے لباس کے علاوہ دو کپڑے خرید کر جمعہ کے لئے مخصوص کر رکھے۔'' (ابوداؤد، ابنِ ماجہ)

اجتماعِ جمعہ میں شرکت کے لئے غسل کرنا، عمدہ لباس زیب تن کرنا، تیل لگانا اور خوشبو کا اہتمام کرنا مسنون ہے۔ (بخاری ومسلم)

اجتماعِ جمعہ کے لئے یہ سارا اہتمام اِس لئے ہے کہ خطبہ سننے کے لئے ماحول خوشگوار اور معطر ہو۔ اِس اہتمام سے انسان خود بھی خطبہ سننے کے لئے ذہنی آمادگی اور تازگی محسوس کرے گا اور دوسروں کے لئے بھی فرحت بخش فضا فراہم کرے گا۔

نمازِ جمعہ میں غیر حاضری پر وعید

حضرت ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو ہم نے اپنے لکڑی کے ممبر پر بیٹھے ہوئے یہ ارشاد فرماتے سنا کہ ''لوگ جمعہ کی نماز کو چھوڑنے سے باز رہیں یعنی جمعہ کے دن نماز کو نہ چھوڑیں ورنہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور پھر اُن کا شمار غافلوں میں ہو جائے گا۔'' (مسلم)

حضرت ابوالجعد ضمیریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس نے سستی کی وجہ سے تین جمعہ چھوڑ دیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔''
(ابوداؤ، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُن لوگوں کی نسبت جو نمازِ جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں یعنی نماز نہیں پڑھتے فرمایا کہ ''میں نے ارادہ کیا کہ میں ایک شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں اور پھر اُن لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو نمازِ جمعہ کے لئے نہیں آتے۔'' (مسلم)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص نے بلاوجہ نمازِ جمعہ کو ترک کر دیا وہ اس کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے کہ جس کی تحریر نہ مٹائی جا سکتی ہے اور نہ ہی تبدیل کی جا سکتی ہے۔'' (مسند شافعی)

اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے کہ ہم محض سستی کے سبب یا کسی بھی وجہ سے جمعہ کی نماز سے غافل ہو جائیں۔

خطبۂ جمعہ

اِس آیت میں یہ حکم نہیں کہ جاؤ مسجد کی طرف بلکہ حکم یہ ہے کہ لپکو اللہ کے ذکر کی طرف۔ گویا یہاں اہمیت اللہ کے ذکر کو دی جا رہی ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ ذکر سے مراد تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، استغفار، مسنون دعائیں اور وظائف ہیں۔ بلاشبہ یہ امور بھی ذکر میں داخل ہیں لیکن سب سے بڑا ذکر قرآنِ حکیم ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾

''ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (الحجر: 9)

یہاں ذکر سے مراد قرآنِ حکیم ہے۔ نبی اکرم ﷺ خطبۂ جمعہ میں قرآن ہی بیان فرماتے تھے۔ مسلم شریف میں آپ ﷺ کے خطبۂ جمعہ کے بارے میں آتا ہے کہ یَقۡرَءُ الۡقُرۡاٰنَ وَیُذَکِّرُ النَّاسَ ، آپ ﷺ قرآن پڑھتے تھے اور اِس کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے۔ اِس سے یہ ظاہر ہوا کہ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ میں ذکر سے مراد ہے خطبۂ جمعہ۔ جمعہ کے اجتماع میں اصل اہمیت خطبۂ جمعہ کی ہے۔ اِس حوالے سے چند اہم نکات حسبِ ذیل ہیں :

- خطبہ کی اتنی اہمیت ہے کہ جمعہ کے دن اللہ نے نمازِ ظہر کی چار رکعات میں دو کی کمی کر کے خطبۂ جمعہ کو دو فرض کے قائم مقام کر دیا۔ اِسی لئے نبی اکرم ﷺ جمعہ کی نماز سے قبل دو خطبے دیتے تھے :

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے اور اُن دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتے تھے اور آپ ﷺ اِن خطبوں میں قرآنِ حکیم پڑھتے تھے اور نصیحت کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی نماز اوسط درجے کی ہوتی تھی اور خطبہ بھی اوسط درجے کا ہوتا تھا۔'' (مسلم)

- متذکرہ بالا حدیث سے رہنمائی ملتی ہے کہ خطبۂ جمعہ کا اصل مقصد ہے تذکیر بالقرآن یعنی ہفتہ بھر میں لوگوں کے دلوں پر دنیا کی محبت کا جو زنگ چڑھ جاتا ہے، جمعہ کے دن قرآن کے ذریعہ اُس کو اتار دیا جائے۔

حضرت اُمِ ھشامؓ بنت حارثہ بن نعمان سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ''میں نے سورۂ قٓ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سیکھی ہے جسے آپ ممبر پر ہر خطبہ میں تلاوت کرتے تھے۔'' (مسلم)

خطبۂ جمعہ کے حوالے سے ایک کوتاہی تو ہوتی ہے نمازیوں سے کہ وہ جمعہ کے دن تاخیر سے

آتے ہیں اور مقامی زبان کا مکمل خطبہ نہیں سنتے۔ دوسری کوتاہی ہوتی ہے خطیب حضرات سے کہ وہ خطبۂ جمعہ میں ضعیف روایات، قصے کہانیاں، کرامات، فرقہ ورانہ اور سیاسی مسائل پر تو گفتگو کرتے ہیں لیکن قرآنِ حکیم کے مضامین بیان نہیں کرتے۔ اِسی روش پر علامہ اقبال نے مرثیہ کہا کہ :

واعظِ دستاں زنِ افسانہ بند
معنیٔ اُو پست و حرفِ اُو بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ اُو
با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ او

''واعظ ہاتھ بلند کر کر کے قصے کہانیاں سناتا ہے۔ اُس کے الفاظ پُرشکوہ لیکن معنی پست ہوتے ہیں۔ اُس کی ساری گفتگو (بجائے قرآن کے) خطیبِ بغدادیؒ اور امام دیلمیؒ سے ماخوذ ہوتی ہے اور اُس کا سارا سروکار بس ضعیف، شاذ اور مُرسل روایات سے ہوتا ہے۔''

- خطبۂ جمعہ میں آپؐ پانچ باتوں کا اہتمام فرماتے اللہ تعالیٰ کی حمد، رسالت کی شہادت، لوگوں کو وعظ و نصیحت، آیاتِ قرآنی کے ذریعے تذکیر اور مسلمانوں کے لئے دعا۔ (ابوداؤد)
- نبی کریم ﷺ کا خطبہ دینے کا جو انداز تھا وہ بھی روایات میں بیان ہوا ہے۔ آپ ﷺ بڑے انہماک اور ولولہ کے ساتھ خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں ''رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، آپ ﷺ سخت غضب ناک ہوتے گویا آپ ﷺ لوگوں کو لشکر سے اِن الفاظ میں ڈرا رہے ہیں کہ دشمن کا لشکر تم کو صبح کے وقت لوٹ لے گا یا تم کو شام کے وقت لوٹ لے گا اور فرماتے کہ مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے اور یہ کہہ کر درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی باہم ملا دیتے (جس کا مطلب یہ ہوتا کہ جس قدر اِن دونوں انگلیوں کے درمیان فرق ہے اتنا ہی فرق مجھ میں اور قیامت

میں ہے)۔ (مسلم)

ہر خطیب کو خطبہ پورے جوش و جذبہ کے ساتھ دینا چاہیئے تا کہ محسوس ہو کہ بات دلوں میں اتارنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

- خطبے کے دوران ادب اور خاموشی سے بیٹھنا اور اِسے توجہ سے سننا ضروری ہے۔ احادیث میں خطبہ سننے کے آداب بھی نقل ہوئے ہیں:

حضرت ثمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ ''خطبہ کے وقت حاضر رہو اور امام سے قریب بیٹھا کرو اِس لئے کہ آدمی جس قدر نیکیوں سے دور رہوتا ہے اُسی قدر وہ جنت سے پیچھے رہتا ہے، حالانکہ وہ جنت میں داخل ضرور ہوتا ہے لیکن تاخیر سے داخل ہوتا ہے۔'' (ابوداؤد)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص کو جمعہ کے دن خطبہ کے دوران اونگھ آجائے اُس کو چاہیئے کہ وہ اپنی جگہ بدل لے۔'' (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اُس وقت اگر تم نے اپنے ساتھ والوں سے کہا کہ خاموش ہو جاؤ تو تم نے بھی لغو کام کیا۔'' (متفق علیہ)

یعنی خطبہ کے دوران خود خاموش رہا جائے اور اگر کوئی اور گفتگو کرے تو اُسے منع بھی نہ کیا جائے، البتہ امام کسی کو منع کر سکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا معمول یہ تھا کہ جب وہ نبی اکرم ﷺ سے خطبہ سن رہے ہوتے تھے تو اِس طرح اپنے سر جھکائے رکھتے تھے گویا اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور اگر کسی نے سر ہلایا تو پرندہ اڑ جائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے کہ ''جو شخص خطبہ کے وقت بات کرے وہ اُس گدھے کی مانند ہے جس پر کتابیں لدی ہوتی ہیں اور جو شخص

کسی سے کہے کہ خاموش رہ اُس کا بھی جمعہ نہیں ہوتا۔'' (مسند احمد)

جمعہ کے روز کاروبارِ دنیوی کی ممانعت

وَذَرُوا الْبَيْعَ کے حکم کی رُو سے اذانِ جمعہ سے لے کر نمازِ جمعہ کے اختتام تک کاروبار یا دنیاداری کا کوئی کام کرنا حرام ہے۔ اِس حوالہ سے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے قائم کردہ ''دارالعلوم کراچی'' کا حسبِ ذیل فتویٰ واضح رہنمائی فراہم کرتا ہے:

جمعہ کی پہلی اذان کے بعد کاروبار وغیرہ کا حکم

جمعہ کے دن ہر ایسے مسلمان عاقل بالغ تندرست مرد پر جو کسی شہر میں ہو جمعہ کی پہلی اذان ہوتے ہی نمازِ جمعہ ادا کرنے کا اہتمام واجب ہے۔ اِس کے سوا کسی اور کام میں مشغول ہونا جائز نہیں، جس کی چند صورتیں درج ذیل ہیں:

1- جمعہ کی پہلی اذان کے بعد کسی قسم کا کاروبار، تجارت اور خرید و فروخت جائز نہیں۔ لہٰذا جمعہ کی پہلی اذان پر دکان کو مکمل بند کریں۔ مالکِ دکان اور ملازم سب نمازِ جمعہ ادا کریں۔

2- جمعہ کے دن بعض دکاندار ایسا کرتے ہیں کہ اُن کی دکان کا ایک فرد ایسی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرتا ہے جہاں جمعہ کی نماز جلدی ہوتی ہے اور وہ آ کر دکان پر بیٹھ جاتا ہے، پھر دوسرا شخص دوسری مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرتا ہے جہاں نمازِ جمعہ دیر سے ہوتی ہے اور دکان برابر کھلی رہتی ہے اور کاروبار جاری رہتا ہے، یہ جائز نہیں۔ ہاں اگر دکان کے تمام افراد کسی ایسی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کریں جہاں نمازِ جمعہ جلدی ہوتی ہے اور پھر آ کر دکان کھول لیں تو یہ جائز ہے۔

3- ملازمت سرکاری ہو غیر سرکاری، جمعہ کی پہلی اذان کے بعد ملازمت کرنا جائز نہیں۔ اِس کو چھوڑ کر نمازِ جمعہ ادا کرنے کا اہتمام ضروری ہے۔ البتہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد ملازمت کرنا جائز ہے۔

4- جمعہ کی پہلی اذان کے بعد اگر کارخانہ یا دکان یا فیکٹری باہر سے بند کر دیں اور اندر مسلمان ملازمین کام کرتے رہیں یہ بھی جائز نہیں۔سب کو کام چھوڑ کر نمازِ جمعہ ادا کرنا فرض ہے ورنہ سخت گناہ ہوگا۔

5- اگر کسی مسلمان ملازم کو جمعہ کی پہلی اذان کے بعد مالک کام کرنے پر مجبور کرے تو مجبور کرنے والا گناہ گار ہے اور ملازم پر اُس کا کہا ماننا جائز نہیں۔اگر وہ مجبور کرنے سے باز نہ آئے تو ملازم کو چاہیئے کہ اُس کی یہ ناجائز بات نہ مانے بلکہ جمعہ کی نماز اپنے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

6- جمعہ کی پہلی اذان کے بعد گلی کوچوں اور بازاروں میں محنت مزدوری کرنے والوں اور چل پھر کر مال بیچنے والوں، ریڑھی اور ٹھیلہ لگانے والوں پر بھی واجب ہے کہ کام بند کر کے نمازِ جمعہ ادا کریں۔

7- اذانِ جمعہ کے بعد کھانا، پینا سونا یا کسی سے باتوں میں مشغول رہنا یہاں تک کہ کسی اخبار یا کتاب کا مطالعہ کرنا وغیرہ، غرض یہ کہ ہر وہ کام جو جمعہ کی تیاری کے لئے مانع بنے جائز نہیں۔صرف جمعہ کی تیاری کے لئے جو کام ہوں وہ کئے جا سکتے ہیں۔

8- اذان جمعہ کے بعد مرد حضرات کو جن پر جمعہ کی نماز فرض ہے گھر میں نوافل یا ذکر و تلاوت یا کسی اور عبادت میں مشغول رہنا جائز نہیں۔اُنہیں چاہئے کہ نمازِ جمعہ کے لئے مسجد میں حاضر ہوں۔مسجد میں اگر چاہیں اور موقع ہو تو اِن عبادات کو انجام دے سکتے ہیں۔

اجتماعِ جمعہ میں حاضری کی فضیلت

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ...... وہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم اس کو سمجھو

"حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جو شخص نمازِ جمعہ کے دن نہائے، جس قدر ممکن ہو پاکیزگی حاصل کرے، پھر تیل یا جو خوشبو گھر پر میسر ہو لگائے، پھر گھر سے نماز کو نکلے اور دو آدمیوں کے درمیان مسجد میں گھس کر نہ بیٹھے (مراد یہ ہے کہ مسجد

میں جا کر کسی کو تکلیف نہ دے)، پھر جس قدر نماز اللہ نے اُس پر فرض کی ہے پڑھے، پھر جب امام خطبہ دے تو بالکل خاموشی کے ساتھ اُسے سنے تو اُس کے وہ تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں جو اُس نے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کئے ہیں" (بخاری) مسلم شریف کی روایت میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور مزید تین دن کے گناہ بخش دیئے جانے کی بشارت ہے۔

☆ **آیت : 10 :**

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ ...... پھر جب نماز ختم ہو جائے ...... فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ ...... تو زمین میں پھیل جاؤ ...... وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ...... اور اللہ کے فضل (روزی) میں سے تلاش کرو ...... وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿﴾

اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

نمازِ جمعہ کے بعد کاروبار کی اجازت

- یہود کے ہاں سبت یعنی ہفتہ کے پورے دن عبادت میں مشغول رہنا لازم اور ہر طرح کا دنیوی کام کرنا حرام تھا۔ ہمارے لئے جمعہ کے دن اذانِ جمعہ سے پہلے بھی دنیوی امور انجام دینے کی اجازت ہے اور جمعہ کی نماز کے بعد بھی ایسا کیا جا سکتا ہے۔البتہ مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے دن کے ابتدائی اوقات میں اجتماعِ جمعہ میں جانے کی تیاری کی جائے اور جلد از جلد مسجد پہنچا جائے۔جب نماز ختم ہو جائے تو پھر دنیوی امور میں شامل ہوا جا سکتا ہے۔

- عربی زبان میں حکم، اجازت، مشورہ یا درخواست کے لئے امر کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔یعنی ہر امر سے مراد حکم نہیں ہوتا۔فقہاء نے تحقیق کے بعد فیصلہ کیا کہ قرآن وحدیث کا کون سا امر حکم یعنی "امر للوجوب" ہے اور کون سا امر محض اجازت کے درجہ میں ہے۔فقہاء کا اِس پر اتفاق ہے فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ میں امر کے صیغے

حکم کے درجے میں ہیں اور فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ میں امر کے صیغے اجازت کے درجے میں ہیں۔ گویا لازم نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد ضرور ہی کاروبار کیا جائے لیکن اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اِس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

- اِس آیت میں روزی کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ روزی کسی کو اُس کی صلاحیت یا محنت کی مناسبت سے نہیں ملتی۔ یہ خالصتاً اللہ تبارک وتعالیٰ کی دین ہے۔ بعض لوگ بڑے قابل، باصلاحیت اور ذہین ہوتے ہیں لیکن اُن کا گزارہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔ بعض لوگ انگوٹھا چھاپ ہوتے ہیں لیکن وہ لاکھوں میں کھیل رہے ہوتے ہیں۔

امورِ دنیا کے دوران یادِ الٰهی

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کے الفاظ میں رہنمائی ہے کہ صرف مسجد میں ہی نہیں بلکہ مسجد کے باہر بھی اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا ہے۔ ذکر کے معنی ہیں اِسْتِحْضَارُ اللّٰهِ فِی الْقَلْبِ یعنی دل میں اللہ کی یاد بسائے رکھنا۔ صوفیاء کا قول ہے ''جو دم غافل سو دم کافر''۔ ذکر کے ذرائع ہیں قرآنِ حکیم، نماز، تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، استغفار، مسنون اذکار اور دعائیں۔ مؤثر ترین ذریعۂ ذکر ہے قرآنِ حکیم اور جامع ترین ذریعۂ ذکر ہے نماز۔ اِن کے بعد درجہ ہے دیگر اذکارِ مسنونہ کا۔ البتہ اگر کوئی شخص خاموش ہے لیکن اُس کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہے تب بھی وہ حالتِ ذکر میں ہے۔ پھر ذکر سے مراد یہ بھی ہے کہ ہم ہر کام کرتے ہوئے اللہ کے احکامات اور نبی کریم ﷺ کی سنت کو یاد رکھیں، جھوٹ نہ بولیں، کسی کو دھوکہ نہ دیں، اپنے جملہ فرائض دیانت داری سے ادا کریں وغیرہ۔ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو یاد رکھنا ہی کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا ہے اور اسی کے ذریعہ ہم فوز وفلاح سے ہمکنار ہوں گے۔

☆ آیت : 11 :

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا -- جب اُنہوں نے دیکھی کوئی تجارت یا کھیل تماشا -- اِنْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا -- تو وہ اُس کی طرف چلے گئے اور اے نبیؐ آپ کو کھڑا چھوڑ دیا -- قُلْ مَاعِنْدَ اللّٰهِ -- اے نبیؐ اُن سے کہہ دیجئے کہ جو بھی نعمتیں اللہ کے پاس ہیں -- خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ -- بہتر ہیں کھیل تماشے اور تجارت سے -- وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اِس آیت میں خطبہ کی اہمیت کے حوالے سے دورِ نبوی ﷺ کا ایک واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔ ابتداء میں عیدین کے معمول کی طرح جمعہ کی نماز پہلے ادا کی جاتی تھی اور خطبہ بعد میں دیا جاتا تھا (مراسیلِ ابوداؤد)۔ ایک بار ایسا ہوا کہ نماز کے بعد نبی اکرم ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ عین اُس وقت گھنٹیاں بجیں جس سے اندازہ ہوا کہ کوئی تجارتی قافلہ مدینے میں داخل ہوا ہے۔ اُس وقت مدینہ میں اشیاءِ ضرورت کی کمی اور سخت گرانی تھی (امام مالکؒ)۔ کچھ لوگ سمجھے کہ اصل اہمیت صرف نماز کی ہے خطبہ کی نہیں۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ نماز تو ہو چکی، لہٰذا قافلہ کی طرف چلو، کہیں تاخیر کی وجہ سے ہم مطلوبہ خریداری سے محروم نہ رہ جائیں۔ نبی اکرم ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے اور وہ لوگ خطبہ کے دوران اٹھ کر چلے گئے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے بڑے سخت الفاظ میں اُن کو متوجہ کیا کہ :

''جب انہوں نے دیکھی کوئی تجارت یا کوئی کھیل تماشا تو وہ اُس کی طرف چلے گئے
اور اے نبی ﷺ آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔''

گویا خطبہ کی اہمیت نہیں اور اہمیت تجارت کی ہے۔ آگے تنبیہ کی گئی :

''اے نبی ﷺ اُن سے کہہ دیجئے کہ جو بھی نعمتیں اللہ کے پاس ہیں
وہ بہتر ہیں کھیل تماشہ اور تجارت سے۔''

یہاں کھیل تماشہ کا ذکر تجارت سے پہلے ہے۔ آج ہماری اکثریت کھیل تماشہ یعنی ٹی وی پروگراموں، کرکٹ میچز یا دیگر لغویات کی وجہ سے اجتماعِ جمعہ میں تاخیر سے آتی ہے یا بالکل ہی

محروم رہ جاتی ہے۔ یہاں ترغیب دی گئی کہ تمہارے لئے جو اجر وثواب اور نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں کھیل تماشہ اور تجارت سے۔

جمعہ کی اذانِ اوّل سے لے کر اختتامِ نماز تک تجارت کر کے ہم کیا کمائی کر لیں گے یا کھیل تماشے سے کتنی دیر کی لذت حاصل کر لیں گے۔ البتہ اس دوران اگر ہم مشاغلِ دنیا کو ترک کر کے اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے مسجد پہنچ جائیں اور جملہ آداب کے ساتھ خطبہ سنیں اور نماز ادا کریں تو اللہ ہمارے ہفتہ بھر کے گناہ معاف فرما دے گا اور مزید اجر وثواب بھی عطا فرمائے گا۔ اِس دنیا میں ہمیں جو کچھ ملے گا وہ اللہ ہی دے گا اور جو نعمتیں وہ آخرت میں دے گا وہ بہتر بھی ہیں اور باقی رہنے والی بھی۔ بلاشبہ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ -- اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اعمال جمعة المبارک

☆ دجال کے فتنے سے محفوظ رہنے کے لئے مکمل سورہ کہف کی تلاوت کا اہتمام کرنا (حاکم) یا اس کی ابتدائی دس آیات (مسلم) یا اس کی آخری دس آیات (مسلم) یا ابتدائی تین آیات (ترمذی) کی تلاوت کا اہتمام کرنا۔

☆ شبِ جمعہ میں سورہ دخان کی تلاوت گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ (ترمذی)

☆ صلوٰۃ الفجر کی پہلی رکعت سورۃ الم السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر پڑھنا سنتِ نبویؐ ہے۔ (مسلم)

☆ نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا۔ (ابوداؤد، نسائی)

☆ جمعہ کے دن ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جس میں مانگی جانے والی دعا قبول کی جاتی ہے۔ (متفق علیہ)

حقیقتِ نفاق

☆ موضوع کی اهمیت :

حقیقتِ نفاق کو سمجھنا اِس لئے اہم ہے کہ نفاق ایک سنگین جرم ہے جس کی ہلاکت خیزی انتہائی شدید ہے۔ اِس ہلاکت خیزی کے مختلف پہلو یہ ہیں :

1 - روزِ قیامت شفاعتِ محمدی ﷺ سے محرومی :

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ

(اے نبیؐ) اُن کے حق میں برابر ہے کہ آپؐ اُن کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں، اللہ ہرگز اُنہیں معاف نہ فرمائے گا۔ (المنافقون: 6)

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

(اے نبیؐ) خواہ آپؐ اُن کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں، اگر آپؐ اُن کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش مانگیں گے تب بھی اللہ ہرگز اُنہیں معاف نہ فرمائے گا۔ (التوبہ : 80)

2 - روزِ قیامت حشر کفار کے ساتھ ہوگا :

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۝

بے شک اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے (النساء : 140)

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (الحدید: 15)

پس آج تم سے (اے منافقو) کوئی فدیہ قبول نہ کیا جائے گا اور نہ ہی کفار سے، تمہارا ٹھکانہ آگ ہے، وہی تمہاری ساتھی ہے، اور وہ لوٹنے کی بہت بری جگہ ہے۔

3 - پلِ صراط پر نور سے محرومی :

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ
بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

جس دن منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے ہم پر نظر (شفقت) کرو کہ ہم تمہارے نور میں سے کچھ لے لیں، کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے (دنیا میں) لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی جس کی اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب ہوگا۔ (الحدید: 13)

4 - جھنم کے سب نچلے گڑھے میں :

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

بے شک منافق جہنم کے نچلے ترین طبقے میں ہوں گے اور تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ (النساء: 145)

☆ ایک بہت بڑا مغالطہ :

آج اکثر مسلمانوں کو یہ مغالطہ لاحق ہے کہ منافقین دورِ نبوی ﷺ کے ایسے لوگ تھے جنہوں نے اِسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا لیکن اندر خانے اِسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اِس وجہ سے اکثر مسلمان اپنے بارے میں منافق ہونے کا کوئی امکان محسوس نہیں کرتے۔ اِس مغالطے کا نقصان یہ ہے کہ جن آیات اور احادیث میں منافقین کا ذکر ہے، ہم خود کو اُن سے غیر متعلق سمجھ کر گزر جاتے ہیں اور ان کی کچھ بھی تاثیر ہمارے دلوں پر نہیں ہوتی۔ ماہر القادری صاحب قرآن کی فریاد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :

دل سوز سے خالی رہتے ہیں، آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اِک اِک جلسہ میں پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

اِس حوالے سے حسبِ ذیل روایات پر غور فرمائیے :

1 - ایک تابعی ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے تیس صحابہؓ سے ملاقات کی۔ وہ سب کے سب اپنے بارے میں نفاق کا خوف رکھتے تھے۔ ان میں

سے کسی ایک کا بھی دعویٰ نہ تھا کہ وہ حضرت میکائیلؑ اور حضرت جبرائیلؑ کے ایمان پر ہوں اور حضرت حسنؒ کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک مومن ہی نفاق سے خوف زدہ ہوتا ہے اور ایک منافق ہی اِس سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے۔ (بخاری)

نہ لٹتا دن کو، تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا؟
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

2 - ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ میں اندیشہ محسوس کرتا ہوں کہ میں منافق ہوگیا ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اگر تم منافق ہوتے تو ایسا اندیشہ نہ رکھتے۔ (طبرانی)

3 - حضرت حنظلہؓ ابن ربیع سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں حضرت ابوبکرؓ سے ملا تو انہوں نے پوچھا اے حنظلہؓ کیسے ہو؟ میں نے کہا کہ حنظلہؓ منافق ہوگیا ہے۔ انہوں نے فرمایا سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور وہ ہم سے جنت اور جہنم کا ذکر فرماتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے گویا ہم یہ حقائق آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں، بیویوں، اولاد اور گھریلو کاموں میں مشغول ہوجاتے ہیں تو اکثر بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم! میرا بھی یہی حال ہے۔ پھر میں اور حضرت ابوبکرؓ چلے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! حنظلہ منافق ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کیسے؟ میں نے عرض کیا ہم آپ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہم سے جنت اور جہنم کا ذکر فرماتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے گویا ہم یہ حقائق آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں، بیویوں، اولاد اور گھریلو کاموں میں مشغول ہوجاتے ہیں تو اکثر بھول

جاتے ہیں۔اِس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم اِس حالت میں ہمیشہ رہو جس میں میرے پاس ہوتے ہو اور ذکر میں مشغول رہو تو یقیناً فرشتے تم سے بستروں اور راستوں میں مصافحہ کریں، لیکن اے حنظلہؓ یہ کیفیت تو کبھی کبھی ہوتی ہے۔آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔(مسلم)

4 - ترمذی شریف میں مسنون دعا نقل ہوئی ہے :

اَللّٰھُمَّ طَھِّرُ قَلْبِیُ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیُ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیُ مِنَ الُکَذِبِ
وَعَیُنِیُ مِنَ الُخِیَانَةِ فَاِنَّکَ تَعُلَمُ خَائِنَةَ الُاَعُیُنِ وَمَا تُخُفِیُ الصُّدُوُرِ

اے اللہ پاک کردے میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے بے شک تو خوب واقف ہے آنکھوں کی خیانت کرنے والے سے اور جو کچھ سینے چھپائے رکھتے ہیں۔

☆ نفاق کا مفھوم :

- لغوی اعتبار سے لفظ نفاق کا مادہ ہے ن ف ق۔ نَـفَـقَ کے معنی ہیں خرچ ہونا۔اِسی مادہ سے لفظ بنتا ہے نَـفَـقٌ جس کے معنی ہیں سرنگ۔سرنگ کے دو دہانے ہوتے ہیں۔نـافـقـہ کہتے ہیں گوہ کو جس کے بل کے دو منہ ہوتے ہیں۔نفاق کا لغوی مفہوم ہے دوغلا ہونا۔منافق ایسے شخص کو کہتے ہیں جو دو منہ والا ہو یعنی کسی مقابلہ کے دونوں فریقوں سے اظہارِ وفاداری کرے۔قرآنِ حکیم میں منافقین کا ذکر یوں کیا گیا :

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ قَالُوْآ اِنَّا
مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُ وْنَ ۞

اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں،

بلاشبہ ہم تو (مسلمانوں کے ساتھ) مذاق کرتے ہیں۔(البقرۃ : 14)

منافقین کی یہی کیفیت سورۂ نساء آیت 141 میں بھی بیان کی گئی ہے :

اَلَّـذِیْـنَ یَتَـرَبَّصُوْنَ بِکُمْ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ
وَاِنْ کَـانَ لِلْـکَـافِـرِیْـنَ نَـصِیْـبٌ قَـالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَنَمْنَعْکُمْ
مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

جو تمہارے بارے میں انتظار کرتے ہیں۔اگر اللہ کی طرف سے تمہیں فتح ملے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہو تو (اُن سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تمہیں گھیر نہ رکھا تھا اور تم کو مسلمانوں سے بچایا نہ تھا؟

- اصطلاحی طور پر قرآنِ حکیم نفاق کو ایک مرض قرار دیتا ہے۔حدیثِ نبوی ﷺ میں اِسی مرض کو وھن کہا گیا ہے (ابوداؤد)۔ یہ مرض دراصل مال و جان کی محبت کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں انسان بزدل و بخیل ہو جاتا ہے، مال و جان کو بچا بچا کر رکھتا ہے اور انہیں کسی بڑے مقصد کے لئے قربان کرنے سے گریز کرتا ہے۔ الفاظِ قرآنی ہیں:

فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا (البقرۃ : 10)

ان کے دلوں میں ایک مرض ہے، پس اللہ نے زیادہ کر دیا ان کے مرض کو۔

اَمْ حَسِبَ الَّـذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰہُ اَضْغَانَھُمْ ۞ وَلَوْ
نَشَـآءُ لَاَرَیْنٰکَھُمْ فَلَعَرَفْتَھُمْ بِسِیْمٰھُمْ ط وَلَتَعْرِفَنَّھُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ط وَاللّٰہُ
یَـعْلَمُ اَعْمَالَکُمْ ۞ وَلَـنَبْـلُـوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰھِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ
وَنَبْلُوَ اَخْبَارَکُمْ ۞ (محمدؐ : 29 - 31)

کیا جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ہرگز ان کے باطنی

مرض کو ظاہر نہ فرمائے گا اور اگر ہم چاہیں تو ضرور آپؐ کو ایسے لوگ دکھا دیں اور آپؐ اُن کو اُن کے چہروں سے پہچان لیں اور آپؐ ضرور اُن کی گفتگو کے انداز سے اُنہیں پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ اور ہم لازماً تمہاری آزمائش کریں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں تم میں سے جہاد اور صبر کرنے والوں کو اور ہم تمہارے اعمال کی جانچ کر کے رہیں گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿﴾

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے، پھر اگر اُسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اِس پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی آفت پڑتی ہے تو چہرے کا رُخ پھیر لیتا ہے۔ اُس نے دنیا کا خسارہ کیا اور آخرت کا بھی۔ یہی سب سے واضح خسارہ ہے۔ (الحج : 11)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿﴾

اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر، پھر جب اللہ کے راستے میں ستایا جاتا ہے تو لوگوں کی تکلیف کو اللہ کا عذاب سمجھتے ہیں اور اگر تمہارے رب کی طرف سے مدد آجائے تو ضرور کہیں گے کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ تعالیٰ خوب واقف نہیں اُس سے جو جہان والوں کے سینوں میں ہے اور اللہ

لازماً ظاہر فرمادے گا انہیں جو ایمان لائے اور لازماً ظاہر فرمادے گا انہیں جو منافق ہیں۔ (العنکبوت: 10 - 11)

☆ نفاق کا مرض کس صورت میں پیدا ہوتا ھے ؟

جس معاشرے میں کوئی انقلابی تحریک زور پکڑ جائے اور جس کے لئے مال و جان کی قربانی کا تقاضا واضح ہو جائے تو ان حالات میں تین گروہ لازماً وجود میں آجاتے ہیں :

1- مال و جان کے ساتھ تحریک کا ساتھ دینے والے

2- ڈٹ کر تحریک کی مخالفت کرنے والے

3 - نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے یعنی منافق

منافقین کی وفاداری صرف اپنی جان اور مال سے ہوتی ہے لہٰذا وہ پہلے دو گروہوں میں سے کسی کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے لیکن دونوں سے تعلقات استوار رکھنا چاہتے ہیں۔ اسلام کی انقلابی تحریک کے حوالے سے پہلے گروہ کا ذکر سورۂ بقرہ کی آیات 3 تا 5 میں، دوسرے گروہ کا ذکر آیات 6 تا 7 میں اور تیسرے گروہ کا ذکر آیات 8 تا 16 میں بیان کیا گیا ہے۔ آج کے معاشرے میں کوئی انقلابی تحریک زور پر نہیں لہٰذا ہم ان گروہوں کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔ البتہ ہمیں اپنا اپنا جائزہ لینا ہوگا کہ ہم پر دین کے جو تقاضے واضح ہوئے ہیں اِس حوالے سے ہمارا طرزِ عمل کیا ہے اور کہیں ہم مرضِ نفاق میں مبتلا تو نہیں ہیں؟

☆ مرضِ نفاق کی اقسام :

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے :

اَلنِّفَاقُ نِفَاقَانِ نِفَاقُ الْعَمَلِ وَنِفَاقُ التَّكْذِيْبِ

نفاق دو طرح کا ہے عمل کا نفاق اور جھٹلانے کا نفاق (تحفۃ الاحوذی)

جھٹلانے کے نفاق سے مراد ہے شعوری یا اعتقادی نفاق اور عمل کے نفاق سے مراد ہے غیر شعوری یا عملی نفاق۔

1 - شعوری یا اعتقادی نفاق :

شعوری یا ارادی نفاق سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص سازش کے تحت ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اِسلام کا لبادہ اوڑھ لے۔قرآنِ حکیم میں شعوری منافقین کا تذکرہ اِس طرح ہوا :

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ (یہود) نے کہا کہ ایمان والوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے اُس پر دن کے ابتدائی حصہ میں ایمان لے آؤ اور دن کے آخری حصہ میں اُس کا انکار کردو تا کہ وہ (مسلمان اپنے دین سے) لوٹ آئیں۔اور جو تمہارے دین کی پیروی کرے اِس کے سوا کسی کی بات نہ مانو۔(آلِ عمران: 72 - 73)

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ط وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝

اور جب وہ آپؐ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ ہی آئے تھے اور اِسی (کفر) کے ساتھ واپس گئے اور اللہ خوب واقف ہے اُس سے جو وہ چھپاتے ہیں۔(المائدہ :61)

گویا شعوری منافقین پر حالتِ اِیمان ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں آتی۔

2 - غیر شعوری یا عملی نفاق :

یہ نفاق اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی شخص پورے اخلاص سے مسلمان ہو لیکن جب دین پر عمل، اُس کی تبلیغ اور اُس کے غلبہ کی جدوجہد کے لئے مال وجان کی قربانی کے تقاضے سامنے آئیں تو وہ پسپائی اختیار کر لے۔قرآنِ حکیم میں غیر شعوری منافقین

کا تذکرہ بہت کثرت سے ہوا ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور آخرت کے دن پر حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اللہ کو اور اہلِ ایمان کو حالانکہ وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو مگر وہ اُس کا شعور نہیں رکھتے۔ (البقرۃ: 8-9)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

اِس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی پس وہ سمجھتے نہیں ہیں۔(المنافقون: 3)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

’’بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے اللہ ان کو معاف نہ فرمائے گا اور نہ انہیں (سیدھے) راستے کی ہدایت دے گا۔(اے نبیؐ) منافقین کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔‘‘(النساء: 137 - 138)

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ

وہ (منافقین) اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔(آلِ عمران: 167)

☆ مرضِ نفاق کا سبب :

- مرضِ نفاق کا بنیادی سبب ہے جان، اولاد اور مال کی محبت ۔ یہ محبت فطری ہے لیکن اگر اِس کی وجہ سے انسان اللہ کے ذکر اور اُس کے مقرر کردہ فرائض سے غافل ہو جائے تو اِسی سے نفاق کی بیماری کا آغاز ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش کا ذریعہ ہیں (التغابن: 15)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿﴾

''اے ایمان والو! تمہارے اموال اور اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔
اور جو لوگ ایسا کریں گے پس وہی خسارہ پانے والے ہیں۔'' (المنافقون : 9)

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿﴾

اور جو رحمان کے ذکر سے غفلت اختیار کرتا ہے ہم اُس کے لئے ایک شیطان
مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اُس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ (الزخرف : 36)

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿﴾

شیطان نے ان پر قابو پالیا، پس انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں اور آگاہ ہو جاؤ بے شک شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے۔ (المجادلہ : 19)

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ
وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿﴾

وہ (منافقین اہل ایمان کو) پکاریں گے کیا ہم (دنیا میں) تمہارے ساتھ نہ تھے۔ وہ (مسلمان) جواب دیں گے ہاں، لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالا اور انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور تمہیں جھوٹی آرزوؤں نے دھوکہ میں ڈال دیا

یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور تمہیں بہت بڑے دھوکہ باز (شیطان) نے اللہ کے بارے میں دھوکہ میں ڈال دیا۔ (الحدید : 14)

- نفاق کا ایک اور سبب کھیل، تماشے، ڈرامے، فلمیں، ناچ گانے اور موسیقی وغیرہ ہیں جو اللہ اور اُس کے احکامات سے غفلت کی وجہ بنتے ہیں :

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ موسیقی اور کھیل تماشے دل میں اُسی طرح نفاق پیدا کرتے ہیں جس طرح پانی گھاس پیدا کرتا ہے۔ (کنز العمال)

- اللہ کے ساتھ وعدہ خلافی کے سبب بطور سزا مرضِ نفاق دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھ کر ایک مسلمان اللہ سے اُس کے دین کی خاطر مال و جان لگانے کا وعدہ کرتا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں
جنت کے بدلہ میں۔ (التوبہ: 111)

اب سچے مومن وہی ہوتے ہیں جو مال و جان سے اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد کریں :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿﴾

مومن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ یہی لوگ سچے ہیں۔ (الحجرات :15)

قرآنِ حکیم ایسے سرفروشوں کے بارے میں کہتا ہے :

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى

نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا ۞ (الاحزاب :23)

مومنوں میں کتنے ہی جواں مرد ہیں کہ جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا تھا اُس کو سچ کر دکھایا تو اُن میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔

اِس کے برعکس جو لوگ دین کی خاطر مال و جان لگانے سے کنی کتراتے ہیں اور کلمہ طیبہ کے ذریعہ اللہ سے کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہی منافق قرار پاتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں یہ حقیقت اس طرح بھی بیان کی گئی :

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰٮنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۞ فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۞ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۞ (التوبہ :75 - 77)

اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے ہمیں اپنے فضل میں سے عطا کیا تو ہم ضرور خرچ کریں گے اور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں اپنے فضل میں سے عطا فرمایا تو اُنہوں نے اِس میں بخل کیا اور اعراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیا۔ پس اللہ نے سزا کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اُس دن تک جب وہ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے بسبب اِس کے کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اُسے توڑ ڈالا اور بسبب اِس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

ہم مسلمانانِ پاکستان نے اللہ سے اِس وعدے پر ایک ملک حاصل کیا تھا کہ یہاں اُس کے دین کو قائم کریں گے لیکن ہم نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا لہٰذا اِسی سبب سے آج مسلمانانِ پاکستان نفاقِ عملی، نفاقِ باہمی

اور نفاقِ دستوری کی افسوسناک مثال ہیں!

☆ مرضِ نفاق سے بچنے کے لئے حفاظتی تدبیر :

مرضِ نفاق کا سبب ہے اللہ اور اُس کے احکامات سے غفلت اور اس مرض سے بچنے کے لئے حفاظتی تدبیر ہے دوامِ ذکر۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

يٰۤـاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا ۞ وَّسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ۞ هُوَ الَّذِىۡ يُصَلِّىۡ عَلَيۡكُمۡ وَمَلٰۤـئِكَتُهٗ لِيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَكَانَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَحِيۡمًا ۞ (الاحزاب : 41 - 43)

اے ایمان والو! کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو اور صبح وشام اُس کی تسبیح بیان کیا کرو۔ وہی ہے (اللہ) جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے بھی تا کہ تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے اور وہ ایمان والوں پر بڑا مہربان ہے۔

سب سے افضل ذکر ہے قرآنِ حکیم جس سے نہ صرف اللہ کی بلکہ اُس کے احکامات کی بھی یاد دہانی ہوتی ہے۔ سورۂ محمد ﷺ آیت : 24 میں منافقین کے بارے میں کہا گیا :

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰى قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا

پس کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟

مندرجہ ذیل احادیث میں نفاق سے حفاظت کی تدابیر بیان کی گئی ہیں :

1 - کنز العمال میں حضرت انسؓ سے روایت ہے نبی اکرم نے فرمایا :

قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بے شک قرآن اور ذکر دل میں اس طرح ایمان پیدا کرتے ہیں جیسے پانی گھاس پیدا کرتا ہے۔

2 - نماز ذکر کا جامع ذریعہ ہے۔ اِس میں قولی اور بدنی ذکر بھی ہے اور تلاوتِ قرآنِ حکیم، تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، درود اور دعائیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ کنز العمال میں

حضرت انسؓ سے مروی ایک اور حدیثِ نبوی ﷺ ہے کہ :

جس نے نماز فجر اور عشاء چالیس دن تک جماعت کے ساتھ ادا کی اللہ تعالیٰ اُسے دو برائتیں عطا فرمائے گا۔ جہنم کی آگ سے برأت اور نفاق سے برأت۔

3 - حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا کہ تین باتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ایک مسلمان کا دل نفاق میں مبتلا نہیں ہوتا، عمل کا خالصتاً اللہ کے لئے ہونا، ذمہ دار حضرات کے ساتھ خیر خواہی و وفاداری کرنا اور جماعت کے ساتھ چمٹے رہنا کہ بے شک جماعت والوں کی دعائیں اُسے محفوظ رکھتی ہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

☆ مرضِ نفاق کی علامات :

مرضِ نفاق کی علامات میں کسی انسان کے کردار کی پستی، بزدلی اور غیر اخلاقی حرکات شامل ہیں۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور عورتوں کا کردار اس طرح پیش فرماتا ہے :

1 - نیکی سے روکنا اور برائی کو عام کرنا :

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ط نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ط اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک ہی طرح کے ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند کئے رکھتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں نظر انداز کر دیا۔ بے شک منافق ہی فاسق ہیں۔ (التوبہ : 67)

2 - دنیا سے محبت اور موت سے ڈرنا :

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ

اَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا اَخَّرْتَنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى (النساء : 77)

پھر جب اُن پر جنگ فرض کر دی گئی تو اُن میں سے بعض لوگوں سے یوں ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اُس سے بھی زیادہ اور بڑبڑانے لگے کہ اے اللہ! تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر دی، تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی۔ (اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

3 - قیادت کے خلاف خفیہ سرگوشیاں اور سازشیں کرنا :

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ

کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہیں خفیہ سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا مگر وہ وہی کرتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور باہم سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ اور معصیت اور زیادتی کے کاموں اور رسولؐ کی نافرمانی کے لئے۔ (المجادلہ : 8)

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ

اور وہ کہتے ہیں کہ (آپؐ کی) اطاعت کریں گے لیکن جب آپؐ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو اُن میں سے بعض لوگ رات کو آپؐ کے فیصلوں کے برخلاف مشورے کرتے ہیں۔ (النساء : 81)

4 - اجتماعات میں سرگوشیوں اور فوری تبصروں کے لئے ساتھ بیٹھنا اور اجتماع کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کرنا۔ سورۂ مجادلۃ آیت 11 میں فرمایا گیا :

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل جاؤ۔ اللہ تمہارے لیے کشادگی پیدا کردے گا اور جب تم سے کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو۔

5 - تحریک کے دشمنوں سے دوستیاں رکھنا :

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مَّا هُمْ مِّنْکُمْ وَلَا مِنْهُمْ

بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ان لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ نہ تمہارے ساتھ ہیں اور نہ اُن کے ساتھ (المجادلۃ :14)

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿﴾ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿﴾

(اے نبیؐ) منافقین کو بشارت سنا دیجئے کہ اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ اُن کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ تو بلاشبہ عزت تو سب اللہ ہی کی ہے۔ (النساء : 138 - 139)

6 - نماز اور ذکرِ الٰہی میں سستی و کاہلی کرنا :

وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوةِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿﴾

اور جب (منافق) نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کیلئے اور اللہ کو یاد ہی نہیں کرتے مگر بہت کم۔ (النساء : 142)

مندرجہ ذیل احادیثِ مبارکہ میں بھی منافقانہ کردار کی تصویر پیش کی گئی ہے :

1 - حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : منافق کی تین علامات ہیں (یعنی تین برائیاں ہیں جو اُس کے کردار میں راسخ ہو جاتی ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اُس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔ ایک اور روایت میں مزید ہے کہ خواہ

روزہ رکھے اور نماز ادا کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ (متفق علیہ)

2 - حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا چار خصلتیں جس میں بھی ہوں وہ پکا منافق ہے اور کسی شخص میں ان میں سے ایک خصلت ہو تو یہ بھی نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ اِس سے باز آ جائے۔ (وہ چار خصلتیں یہ ہیں) جب اُس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو دھوکہ دے اور جب جھگڑے تو گالی دینے پر اتر آئے۔ (بخاری)

3 - حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے۔ (نسائی)

4 - حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس کو موت آ گئی اِس حال میں کہ اُس نے نہ تو کسی غزوہ میں شرکت کی اور نہ اس میں شرکت (یعنی شہادت) کی تمنا کی تو اُس کو نفاق کی ایک قسم پر موت آئی۔ (مسلم)

5 - حیا اور کم گوئی ایمان کی دو علامات ہیں اور بے حیائی اور بہت زیادہ گفتگو نفاق کی دو علامات ہیں۔ (ترمذی)

6 - حضرت حذیفہؓ سے سوال کیا گیا کہ نفاق کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ انسان اِسلام کا دعویٰ کرے مگر اِس پر عمل نہ کرے۔ (ابن جریر)

7 - ابی سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''غیرت مندی ایمان میں سے ہے اور مذاء نفاق میں سے ہے''۔ انہوں نے کہا میں نے سوال کیا کہ مذاء کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ جو غیرت نہ رکھے''۔ (نسائی)

8 - محمد بن عبداللہ القرشی روایت کرتے ہیں اپنے والد سے کہ انہوں نے فرمایا: حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ اُس نے نماز میں سر جھکا رکھا ہے تو اُنہوں

نے اُس سے کہا: ''یہ کیا ہے؟ اپنے سر کو سیدھا رکھو۔ بے شک خشوع اِس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنا دل میں ہوتا ہے۔ جس نے اپنے دل میں موجود خشوع سے زیادہ لوگوں پر ظاہر کیا تو بے شک اُس نے نفاق پر نفاق کو ظاہر کیا۔(کنزالعمال)

9 - بے شک دل کی لالچ اور فحش اور بے حیائی نفاق میں سے ہیں اور یہ دنیا (کی لذت) میں اضافہ کرتے ہیں اور آخرت (کے اجروثواب) میں کمی کرتے ہیں۔(کنزالاعمال)

☆ مرضِ نفاق کے درجات :

اِسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ اِس کے تقاضے ہیں کہ اِس کی تعلیمات پر زندگی کے ہر گوشے میں عمل کیا جائے اور اِس کی تعلیمات کو پھیلانے اور اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کے لئے مال اور جان سے جہاد کیا جائے۔ دین کے یہ تقاضے سامنے آنے کے بعد درست روش یہ ہے کہ انسان تن من دھن کے ساتھ یہ تقاضے ادا کرے اور اِس راہ میں درپیش ہر طنز، تشدد اور آزمائش کو جھیلنے کے لئے تیار ہو :

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿﴾

بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں جنت کے عوض میں۔ وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔ اور اللہ سے بڑھ کر کون وعدہ وفا کرنے والا ہے۔ پس خوشیاں مناؤ اپنے اِس سودے پر جو تم نے کیا ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ :111)

تو بچا بچا کے نہ رکھ اِسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

ناپسندیدہ روش یہ ہے کہ دین کے تقاضے سامنے آنے کے بعد انسان مال و جان کی محبت میں گرفتار ہو کر ان تقاضوں سے پہلوتہی کرے :

تپتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

ایسا انسان جب تک اپنی کمزوری اور قوتِ ارادی کی کمی کا اعتراف کرتا رہے وہ نفاق کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُسے ''ضُعفِ ایمان'' یعنی ایمان کی کمزوری کا عارضہ لاحق ہے۔ نفاق کا آغاز اُس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی بے عملی کا بہانہ اور جواز پیش کرے۔ اب اِس نفاق کے چار درجے ہو سکتے ہیں :

نفاق کا پہلا درجہ : انسان اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے جھوٹا عذر پیش کرے

حدیث مبارکہ ہے :

بے شک جھوٹ نفاق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔(کنزالعمال)

قرآنِ حکیم کی کئی آیات میں جھوٹ کو منافقین کی نمایاں صفت قرار دیا گیا ہے :

1 - اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿﴾

''جب منافق آپؐ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ آپؐ اُس کے رسولؐ ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔''(المنافقون:1)

2 - فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿﴾

ان کے دل میں ایک مرض ہے، اللہ نے بھی ان کے مرض میں اضافہ کر دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے بسبب اِس کے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ (البقرۃ:10)

3 - يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ

وہ اپنے منہ سے وہ کہتے ہیں جو اُن کے دل میں نہیں ہے۔ (آل عمران:167)

نفاق کا دوسرا درجہ: اپنے بہانے میں وزن پیدا کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھانا

قرآنِ حکیم میں اس درجہ کا بھی کثرت سے ذکر ہے:

1 - وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿﴾

اور وہ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپؐ اُن کو حکم دیں تو (اللہ کی راہ میں) ضرور نکلیں گے۔ کہہ دیجئے کہ قسمیں مت کھاؤ۔ (مطلوب ہے) بھلے طریقہ سے اطاعت کرو۔ بیشک اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ (النور:53)

2 - اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿﴾

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا پس وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں (خود بھی رکتے ہیں) بے شک بہت برا ہے عمل جو وہ کرتے ہیں۔ (المنافقون: 2)

3 - يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿﴾ (التوبہ:62)

وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ (اے مسلمانو) تمہیں راضی کریں حالانکہ اللہ اور اُس کا رسولؐ اِس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے اگر وہ مومن ہیں۔

4 - يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿﴾

وہ قسمیں کھاتے ہیں تاکہ (اے مسلمانو) تم ان سے راضی ہو جاؤ، اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بے شک اللہ فاسق قوم سے راضی نہیں ہوتا۔ (التوبہ :96)

5 - يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَىْءٍ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿﴾

جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا تو وہ اللہ کے حضور میں قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ سمجھیں گے کہ وہ کسی دلیل پر ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ (المجادلہ : 18)

خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں
ہمیں یقین ہوا ہم کو اعتبار آیا

نفاق کا تیسرا درجہ: اپنی کمزوری چھپانے کے لئے دوسرے ساتھیوں کو دین کے لئے قربانی دینے سے روکنا تاکہ وہ بھی ان ہی کی طرح ہو جائیں

قرآنِ حکیم اِس درجہ کا ذکر اِس طرح کرتا ہے:

1 - اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿﴾

وہ کہ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اور خود بیٹھ رہے کہ اگر وہ (مسلمان) ہماری بات مان لیتے تو مارے نہ جاتے۔ کہہ دیجئے کہ تم اتنے سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت ٹال کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو۔ (آلِ عمران: 168)

2 - وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿﴾

اور انہوں نے کہا کہ (مسلمانو) گرمی میں (قتال کیلئے) نہ نکلو۔(اے نبیؐ) فرما دیجئے کہ جہنم کی آگ زیادہ شدید ہے، اگر ہوجانتے۔(التوبہ :81)

نفاق کا چوتھا درجہ : مخلص ساتھیوں اور قائد سے دشمنی

قرآنِ حکیم میں نفاق کے اِس درجہ کو بھی بڑی وضاحت سے نمایاں کیا گیا ہے :

1 - وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں بےوقوفوں کی طرح۔ (البقرۃ :13)

2 - هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞

وہ (منافق) کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہؐ کے پاس ہیں اُن پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ منتشر ہوجائیں۔ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں لیکن منافق سمجھتے نہیں۔ کہتے ہیں جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو لازماً عزت والے اُس میں سے ذلت والوں کو نکال دیں گے اور اللہ ہی کے لئے عزت ہے اور اُس کے رسولؐ کے لئے اور ایمان والوں کے لئے لیکن منافق جانتے نہیں۔ (المنافقون:7-8)

3 - وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

اور جب وہ (منافقین) آپؐ کے پاس آتے ہیں تو آپؐ کے بارے میں ایسے کلمات کہتے ہیں جو اللہ نے آپؐ کے لئے نہیں کہے اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم

کہتے ہیں اِس پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔اُن کے لئے جہنم کافی ہے، وہ اِس میں ڈالے جائیں گے اور وہ لوٹنے کی بہت بری جگہ ہے۔ (المجادلہ: 8)

4 - وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۞ (النساء:61)

اور جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور رسولؐ کی طرف تو آپؐ دیکھتے ہیں کہ منافق آپؐ کے پاس آنے سے کتراتے ہیں۔

5 - وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۞

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہؐ تمہارے لئے بخشش مانگیں تو وہ اپنے سروں کو ہلاتے ہیں اور آپؐ دیکھتے ہیں کہ وہ تکبر کرتے ہوئے اعراض کرتے ہیں۔(المنافقون:5)

6 - وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ (اے نبیؐ) آپ کی وجہ سے ہے۔(اے نبیؐ) فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ (النساء : 78)

7 - وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ

اور اُن میں سے کچھ ہیں جو (اے نبیؐ) آپ پر الزام تراشی کرتے ہیں صدقات کے معاملے میں۔(التوبہ : 58)

8 - وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ

اور اُن میں سے کچھ ہیں جو نبیؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو نرے کان ہیں۔ (التوبہ : 61)

مخلص ساتھیوں اور قائد سے دشمنی نفاق کا وہ درجہ ہے جہاں غیر شعوری نفاق شعوری نفاق میں بدل جاتا ہے۔ اب یہ مرض نا قابلِ علاج ہو جاتا ہے۔

☆ مرضِ نفاق کا علاج :

وہی دیرینہ بیماری وہی نا محکمی دل کی
علاج اِس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

مرضِ نفاق پیدا ہوتا ہے مال و اسباب کی محبت سے۔ اِس کا علاج ہے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انفاق کرنا یعنی مال جیسی محبوب شے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿﴾ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿﴾

اور خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اِس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے اور وہ کہے اے میرے رب تو نے مجھے ایک قریبی مدت تک مہلت کیوں نہ دی کہ میں خوب صدقہ کرتا اور نیکو کاروں میں سے ہو جاتا۔ اور اللہ ہرگز کسی نفس کو مہلت نہیں دیتا جب اُس کی موت آ جائے اور اللہ خوب واقف ہے اُس سے جو تم کرتے ہو۔ (المنافقون: 10 - 11)

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ :103)

(اے نبیؐ) ان کے اموال میں سے صدقہ لیجئے تا کہ انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں

☆ مرضِ نفاق کا سب سے زیادہ خطرہ کن کو ہے ؟

مرضِ نفاق کا سب سے زیادہ خطرہ ان لوگوں کو ہے جن پر دینِ اِسلام کے اصل تقاضے یعنی

پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی کلی اطاعت کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور دین کے غلبے کے لئے مال اور جان سے جہاد کرنا واضح ہو چکے ہیں۔ اب اگر وہ ان تقاضوں کی ادائیگی سے اعراض کرتے ہیں تو مرضِ نفاق میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّيَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْكَذِبِ وَاَعْيُنَنَا مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرِ آمین.

منتخب نصاب حصّہ چہارم

درسِ پنجم: سورۂ منافقون

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (1) اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (2) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (3) وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ط يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (4) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ (5) سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (6) هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ (7) يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ

وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (8)

☆ تمہیدی نکات :

۱ - منتخب نصاب کے حصّہ چہارم کا درسِ پنجم سورۂ منافقون پر مشتمل ہے۔

۲ - سورۂ منافقون مکی - مدنی سورتوں کے چھٹے گروپ کی دس مدنی سورتوں میں شامل ہے۔ ان سورتوں میں حسبِ ذیل خصوصیات ہیں :

- ان میں سے اکثر سورتوں کا زمانۂ نزول مدنی دور کا نصف ثانی ہے۔ اس دور میں امتِ مسلمہ کی تشکیل ہو چکی تھی اور ایک مسلم معاشرہ وجود میں آ چکا تھا، لہٰذا ان سورتوں میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کفار کا ذکر ضمنی طور پر ہے اور ان میں سے خصوصاً اہلِ کتاب کا ذکر ہے بطورِ عبرت۔ اہلِ کتاب مسلمانوں سے قبل امت کے منصب پر فائز تھے لیکن ان میں بعض ایسی اعتقادی اور عملی گمراہیاں آ گئیں جن کی وجہ سے اللہ اُن سے ناراض ہو گیا۔ ان سورتوں میں ہمیں دعوتِ غور و فکر دی جا رہی ہے کہ ہم دیکھیں یہ گمراہیاں کن کن راستوں سے آئیں اور پھر ہم ان گمراہیوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں۔
- ان سورتوں میں ملامت اور جھنجھوڑنے کا انداز بہت نمایاں ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ مجموعی اعتبار سے مسلمانوں کے جذبۂ عمل میں کچھ کمی واقع ہو رہی ہے جس پر متوجہ کیا جا رہا ہے۔ (حدید :8، 10، 16- ممتحنہ :1- صف :2، 3- جمعہ : 11)
- ان سورتوں میں اہم مضامینِ قرآن کے خلاصے بیان کیے گئے ہیں۔
- ان سورتوں میں سے پانچ کا آغاز تسبیح باری تعالیٰ سے ہوا ہے اور انہیں مسبحات کہا جاتا ہے۔ سورۂ حدید - سورۂ حشر - سورۂ صف کے آغاز میں ماضی کا صیغہ سَبَّحَ آیا ہے اور سورۂ جمعہ - سورۂ تغابن کے آغاز میں مضارع کا صیغہ

يُسَبِّحُ استعمال ہوا ہے۔ سورۂ حشر اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس کی پہلی اور آخری آیت میں تسبیح کا بیان ہے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کی وجہ سے ان میں سے چھ سورتیں منتخب نصاب میں شامل کی گئی ہیں۔ حصہ دوم میں سورہ ٔ تغابن، حصہ سوم میں سورہ ٔ تحریم، حصہ چہارم میں سورۂ صف، سورۂ جمعہ، سورۂ منافقون اور حصہ ششم میں سورۂ حدید شامل ہے۔

۳ - سورۂ منافقون ''حقیقتِ نفاق'' کے موضوع پر ایک جامع سورۃ ہے۔ یہ قرآنِ حکیم کی ان چند سورتوں میں سے ہے جن کے نام اور موضوع میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ اس سورۃ میں مرضِ نفاق کا سبب، علامات، درجات ، ھلاکت خیزی، حفاظتی تدابیر اور علاج جیسے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ سورہ ٔ نساء، سورہ ٔ توبہ، سورۂ نور اور سورہ ٔ احزاب میں نفاق کے موضوع پر جو تفصیلات آئی ہیں ان سب کا خلاصہ اس سورۃ میں ہے۔

۴ - قرآنِ حکیم میں سورۂ منافقون سے پہلے سورۂ صف اور سورہ ٔ جمعہ ہیں۔ ان دو سورتوں کے ساتھ سورۂ منافقون کا ربط یہ ہے کہ سورۂ صف اور سورۂ جمعہ کا موضوع ہے غلبہ ٔ دین کے لئے جہاد فی سبیل اللہ اور اس کا اساسی طریقہ ٔ کار جبکہ جہاد فی سبیل اللہ سے اعراض کا نتیجہ ہے نفاق جو کہ موضوع ہے سورۂ منافقون کا۔

۵ - قرآنِ حکیم میں سورۂ منافقون کے فوراً بعد سورۂ تغابن آئی ہے۔ ان دونوں سورتوں میں باہم جوڑا ہونے کی نسبت ہے ۔ سورۂ منافقون کا موضوع ہے حقیقتِ نفاق جبکہ سورۂ تغابن کا موضوع ہے حقیقتِ ایمان ۔ نفاق درحقیقت کفرِ حقیقی ہے جو ایمانِ حقیقی کی ضد ہے۔

۶ - سورۂ منافقون کا پس منظر یہ ہے کہ اس کا زمانہ ٔ نزول ہے مدنی دور کا وسط۔ یہ وہ دور ہے کہ جب مسلح تصادم کا مرحلہ زوروں پر تھا اور جس کے خوف کی وجہ سے مسلمانوں

کی صفوں میں منافقین کا گروہ نمایاں ہو چکا تھا۔مکی دور میں اسلام قبول کرنا مشکلات و مصائب کو دعوت دینا تھا۔اس دور میں وہی جواں مرد ایمان لانے کا اعلان کرتا تھا جس کے دل میں ایمان راسخ ہو جاتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ مکی سورتوں میں نفاق کا ذکر کم ہے۔ابتدائی مدنی سورتوں میں بھی منافقین کے کردار پر پردہ ڈالا گیا اور بغیر نفاق کی اصطلاح استعمال کیے ہوئے ان کا ذکر کیا گیا۔البتہ مدنی دور کے وسط اور آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں منافقین کے کردار کو بالکل واضح الفاظ میں بے نقاب کر دیا گیا۔مدینہ میں اوس وخزرج کے اکثر لوگ بالخصوص سرداران ایمان لا چکے تھے۔لہٰذا یہاں ایمان لانے میں کوئی خطرات نہیں بلکہ فائدے تھے۔اسی لئے بعض کمزور طبائع کے لوگ بھی ایمان لے آئے لیکن جب اُن کے سامنے دین کی خاطر مال وجان لگانے کے تقاضے آئے تو پسپائی اختیار کی اور مرضِ نفاق میں مبتلا ہو گئے۔

۷ - مضامین کے اعتبار سے سورۂ منافقون کی آیات کا تجزیہ اس طرح ہے :

آیات: 1 - 3 مرضِ نفاق کے ابتدائی تین درجات

آیات: 4 - 8 مرضِ نفاق کا چوتھا درجہ اور اس مرض کی ہلاکت خیزی

آیت: 9 مرضِ نفاق کا سبب اور اس کی حفاظتی تدبیر

آیات: 10 - 11 مرضِ نفاق کا علاج

آیات پر غور وفکر

آیات : 1 تا 3

مرضِ نفاق کے ابتدائی تین درجات

☆ آیت : 1 :

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ --(اے نبیؐ) جب بھی منافق آتے ہیں آپؐ کے پاس -- قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ -- کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ ضرور اللہ کے رسول ہیں -- وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ --اور اللہ جانتا ہے کہ آپؐ اُس کے رسول ہیں -- وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ -- اور اللہ گواہی دیتا ہے بلاشبہ یہ منافقین واقعی جھوٹے ہیں۔

منافقین نبی اکرم ﷺ کی اطاعت سے تو پہلو تہی کرتے تھے لیکن محض اپنی باتوں سے آپ ﷺ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے تھے۔مثل مشہور ہے کہ ''تھوتھا چنا باجے گھنا'' اور ''جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے''۔اپنی عملی کوتاہیوں کی تلافی کے لئے بار بار یقین دہانی کراتے کہ اے نبی ﷺ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبیؐ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ ﷺ میرے رسول ہیں لیکن میں بذاتِ خود گواہی دیتا ہوں کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔اگر یہ دل سے آپ کی رسالت پر ایمان رکھتے تو آپ ﷺ کی اطاعت کرتے۔ان کی کیفیت یہ ہے کہ :

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ

''(یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے اپنے منہ سے کہا کہ ہم ایمان لائے لیکن ان کے دل ایمان نہیں لائے۔'' (المائدۃ:41)

اس آیت میں منافقین کے جھوٹا ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ جھوٹ ہی مرضِ نفاق کا پہلا درجہ ہے یعنی دینی تقاضوں سے اعراض کے لئے جھوٹا عذر تراشنا۔

☆ آیت : 2 :

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً -- انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے -- فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ --پس وہ رکتے ہیں اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے -- اِنَّهُمْ سَآءَ مَا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ -- کچھ شک نہیں کہ برا ہے عمل جو وہ کررہے ہیں۔

مرضِ نفاق کا دوسرا درجہ ہے کہ اپنے جھوٹے بہانوں میں وزن پیدا کرنے کے لئے قسمیں کھانا۔ اللہ کی راہ میں نکلنے سے اعراض پر شرمندگی، جواب دہی اور تادیبی کاروائی سے بچنے کے لئے انہوں نے اپنی قسموں کو پناہ گاہ بنالیا۔ پھر اس مرض کا تیسرا درجہ ہے کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں نکلنے سے روکنا تاکہ ان کی کمزوری نمایاں نہ ہو۔ دین کی خاطر مال و جان کی قربانیوں سے اعراض کرنے والا انسان دوسروں کو عملی اعتبار سے خدمتِ دین سے نہ بھی روکے تب بھی اپنی طرزِ عمل سے اُن کے حوصلے پست ضرور کرتا ہے اور یہ بھی روکنے ہی کی ایک صورت ہے۔

☆ آیت : 3 :

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا -- یہ اس لئے کہ یہ ایمان لائے -- **ثُمَّ كَفَرُوْا** -- پھر کافر ہوگئے -- **فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** -- تو ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی -- **فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ** -- سو اب یہ سمجھتے ہی نہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہاں ایسے منافقین کا ذکر ہے جو خلوص کے ساتھ ایمان لائے تھے لیکن بعد ازاں دین کے تقاضوں سے پسپائی اختیار کی اور ایمانِ حقیقی سے محروم ہوگئے۔ یہی بات زیادہ وضاحت سے سورۃ النساء آیت **137** میں بیان ہوئی کہ :

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝

”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے، اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا نہیں ہے اور نہ ہی انہیں راہ یاب کرنے والا ہے۔ (اے نبی ﷺ!) ایسے منافقوں کو آپ بشارت سنا دیجئے کہ ان کے

لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔“

غزوۂ اُحد کے موقع پر منافقین کے بارے میں ایمان و کفر کی کشمکش کو یوں بیان کیا گیا :

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ (آلِ عمران:**167**)

” اُس روز وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کے زیادہ قریب تھے۔“

یہ ہے مرضِ نفاق کے شکار انسان کی باطنی کیفیت کا نقشہ کہ کچھ آگے بڑھا، پھر پیچھے ہٹا، پھر حالات بہتر ہوئے اور آسانی ہوئی تو سرگرمی کے ساتھ کچھ پیش قدمی کی، لیکن پھر کوئی مشکل مرحلہ آگیا تو پسپائی اختیار کرلی۔ بقول غالب :

ایماں مجھے روکے ہے، جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے کلیسا میرے آگے

اس کیفیت کی تمثیل سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں بیان ہوئی ہے :

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا

”جب (بجلی چمکتی اور) ان پر روشنی ڈالتی ہے تو اس میں چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہوجاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔“ (البقرۃ : **20**)

یعنی ایمان کی روشنی کی وجہ سے دین کے تقاضوں کو ادا کرنے میں کچھ آگے بڑھتے ہیں اور قدم اٹھاتے ہیں۔ پھر ہمت جواب دے دیتی ہے، جان و مال کھپانے کے تقاضے بڑے کڑے اور کٹھن نظر آنے لگتے ہیں تو بیٹھ رہتے ہیں۔ پھر ہمت کرتے ہیں، پھر بیٹھ رہتے ہیں۔ یہ عمل جاری رہتا ہے، تا آنکہ ایسے لوگ مستقلاً بیٹھ رہتے ہیں اور ان سے ہمت و کوشش کی توفیق ہی سلب کرلی جاتی ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں یہاں فرمایا **فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ** -- تو اُن کے دلوں پر مہر ہوچکی، پس وہ سمجھتے نہیں ہیں یعنی فہم سے محروم ہوچکے ہیں۔

اس آیت میں اعلانیہ یا قانونی کفر کا ذکر نہیں۔نفاق کا کل معاملہ قلب سے متعلق ہے۔
قلب میں ایمان ہے تو انسان مؤمن ہے اور اگر قلب میں ایمان نہیں تو پھر اُس کے منافق
ہونے کا اندیشہ ہے۔البتہ دنیا میں ظاہری طور پر دونوں صورتوں میں انسان کو مسلمان ہی
سمجھا جائے گا جیسے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی مثال ہے جس کے کفن کے لئے
آپؐ نے اپنا کرتا دیا اور ایک روایت کے مطابق اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی (بخاری)۔
اس کے بعد آپ ﷺ کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے منع کر دیا گیا (التوبہ : 84)
اور دوسرے مسلمان اُن کی نمازِ جنازہ پڑھاتے رہے۔البتہ آخرت میں مومن و منافق کو
علیحدہ کر کے نمایاں کر دیا جائے گا۔

آیات : 4 تا 8

مرضِ نفاق کا چوتھا درجہ اور اِس مرض کی ہلاکت خیزی

☆ آیت : 4 :

وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ --اور جب بھی آپؐ انہیں دیکھتے ہیں -- تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ --
توان کے (ظاہری) جسم آپؐ کو متاثر کرتے ہیں -- وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ
لِقَوْلِھِمْ -- اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو آپؐ اُن کی بات کو توجہ سے سنتے ہیں --
کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ -- گویا وہ خشک لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں --
یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْھِمْ --ہر زور کی آواز کا رُخ اپنی طرف سمجھتے ہیں -- ھُمُ
الْعَدُوُّ فَاحْذَرْھُمْ -- وہ دشمن ہیں ان سے بے خوف نہ رہنا-- قٰتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی
یُؤْفَکُوْنَ -- اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں سے لوٹائے جاتے ہیں۔

اس آیت میں منافقین کی ظاہری اور معنوی حقیقت کھول دی گئی ہے۔ظاہری اعتبار سے
یہ اپنے مال و دولت اور تن و توش کی وجہ سے محفل میں ہر شخص کو مرعوب کر دیتے ہیں۔محفل

میں ان کی بات توجہ سے سنی جاتی ہے۔البتہ معنوی اعتبار سے یہ اس قدر بزدل ہوتے ہیں
کہ دشمن کے حملہ کا نشانہ بھی خود کو سمجھتے ہیں اور جہاد کے لئے مال و جان کی قربانی کی ندا کا
رخ بھی اپنی طرف سمجھ کر گھبرا اٹھتے ہیں۔اس کے برعکس بندۂ مومن ممکن ہے کہ ظاہری
اعتبار سے نحیف ہو لیکن معنوی شخصیت کے اعتبار سے وہ ایسی عظیم قوت ، ارادے اور
عزیمت کا پیکر ہوتا ہے کہ تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ دیتا ہے اور قوموں کی تقدیر بدل
دیتا ہے۔حدیثِ نبویؐ ہے :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی اَجْسَادِکُمْ وَلَا اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ
بے شک اللہ نہ تمہارے جسم دیکھتا ہے نہ صورتیں،البتہ وہ تمہارے دل دیکھتا ہے (مسلم)

منافقین کی معنوی شخصیت کی کمزوری کے لئے بڑی عمدہ تشبیہ دی گئی ہے ایک سوکھی ہوئی
لکڑی کی جسے سہارا دے کر کھڑا کیا گیا ہے۔بعض پودوں کے تنے کمزور ہوتے ہیں لیکن
زمین سے غذا لے کر اپنے سہارے کھڑے ہوتے ہیں۔اس کے برعکس درخت کا موٹا سا
تنا ہوتا ہے لیکن سوکھنے کے بعد بغیر سہارے کے کھڑا نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین کو مسلمانوں کا پوشیدہ دشمن قرار دیا اور ہدایت فرمائی
کہ منافقین آستین کا سانپ ہیں لہٰذا ان سے ہوشیار رہا جائے ۔ یہ مرضِ نفاق کا چوتھا
درجہ ہے یعنی مخلص ساتھیوں اور قیادت سے دشمنی ،بغض اور نفرت۔ یہ اس مرض کا آخری
درجہ ہے جس کے بعد انسان **Point of no return** پر پہنچ جاتا ہے ، یہ بیماری
لاعلاج ہو جاتی ہے اور انسان شعوری نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قٰتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ -- اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں سے لوٹائے جا رہے ہیں
کہ الفاظ میں منافقین کی محرومی پر حسرت ہے۔انہیں دورِ نبویؐ میں جینا،آپ ﷺ کی
دعوت پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی صحبت سے فیض حاصل کرنا نصیب ہوا۔بہت سے
مسلمان ان نعمتوں کی تمنا کرتے ہیں۔منافقین ایسے بدنصیب ٹھہرے کہ باوجود ایسی عظیم

نعمتیں میسر ہونے کے، چند روزہ دنیوی مال واسباب کی محبت کے عوض ہمیشہ ہمیش کے عذاب کا سودا کر بیٹھے۔ فوز وفلاح کی منزل کے قریب پہنچ کر ابدی خسارے کی طرف لوٹائے گئے :

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گئے

☆ آیت : 5 :

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ -- اور جب بھی اُن سے کہا جاتا ہے -- تَعَالَوۡا يَسۡتَغۡفِرۡ لَكُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ -- آؤ تا کہ رسول اللہؐ تمہارے لئے مغفرت مانگیں -- لَوَّوۡا رُءُوۡسَهُمۡ -- تو اپنے سر ہلا دیتے ہیں (انکار میں) -- وَرَاَيۡتَهُمۡ -- اور آپؐ انہیں دیکھتے ہیں -- يَصُدُّوۡنَ -- کہ وہ رکتے ہیں -- وَهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ -- اس حال میں کہ وہ تکبر کرتے ہیں۔

منافقین کا نبی اکرم ﷺ سے بغض اور عداوت کا معاملہ یہ تھا کہ مخلص مسلمان جب منافقین سے کہتے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور غلطی کا اعتراف کر لو تو وہ تکبر اور جھنجھلاہٹ سے سر ہلاتے کہ ایسا ممکن ہی نہیں۔ قرآنِ حکیم نے تو ان کو یہ خوشخبری دی تھی کہ :

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ
لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿﴾

"اور اگر انہوں نے جب (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تو آپؐ کی خدمت میں آتے، اللہ سے بخشش مانگتے، رسول ﷺ بھی اُن کے حق میں دعائے استغفار کرتے تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔" (النساء : 64)

لیکن افسوس منافقین میں مرض نفاق اس انتہا تک پہنچ گیا تھا کہ انہوں نے دربارِ نبویؐ میں آنا اپنی شان کے خلاف سمجھا اور اپنے تکبر کی وجہ سے مذکورہ بالا خوشخبری کی سعادت سے محروم رہے۔

☆ آیت : 6 :

سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ -- برابر ہے اُن کے حق میں -- اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ -- آیا آپؐ اُن کے لئے مغفرت طلب کیجئے -- اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ -- یا مغفرت طلب نہ کیجئے -- لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ -- اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا -- اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ -- بے شک اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت میں مرض نفاق کی ہلاکت خیزی بیان ہوئی۔ روزِ قیامت ہمارے لئے نجات کی ایک امید نبی اکرم ﷺ کی دُعائے شفاعت کا حصول ہے۔ منافقین کے حق میں یہ دعائے شفاعت قبول نہ ہوگی۔ سورۂ توبہ آیت **80** میں تو وعید ہے :

اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ

"اگر آپ ﷺ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش مانگیں گے تب بھی اللہ ہرگز ان کو معاف نہ فرمائے گا۔"

اَللّٰهُمَّ طَهِّرۡ قُلُوۡبَنَا مِنَ النِّفَاقِ

اے اللہ! ہمارے دلوں کو نفاق سے پاک کردے۔

آیت کے آخری ٹکڑے میں اسی قاعدہ کلیہ کو دہرایا گیا جو اس سے پہلے سورۂ توبہ آیت **24** اور سورۂ صف آیت **5** میں بیان ہوا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ -- یقیناً اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ بات اللہ کی سنت کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو زبردستی راہِ ہدایت پر لے آئے۔ زبردستی ہدایت دینی ہوتی تو پھر کون ہوتا جو ہدایت سے

محروم رہ جاتا۔ اللہ تو انہی کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کے طالب اور اسے قبول کرنے کا فی الواقع ارادہ رکھتے ہوں۔ جو لوگ دیدہ دانستہ فسق و فجور کے راستہ پر چل رہے ہوں انہیں زبردستی ہدایت دینا اللہ کا ضابطہ نہیں ہے۔

☆ آیت : 7 - 8 :

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ -- یہی ہیں جو کہتے ہیں -- لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ -- جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو -- حَتّٰى يَنْفَضُّوْا -- یہاں تک کہ یہ چلے جائیں -- وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ -- حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے لئے ہیں -- وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ -- لیکن منافق نہیں سمجھتے -- يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ -- کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینے پہنچے -- لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ -- تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے -- وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ -- اور عزت تو اللہ، اس کے رسول اور اہلِ ایمان کے لئے ہے -- وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ -- لیکن منافق جانتے نہیں ہیں۔

ان آیات کے پس منظر میں دورِ نبویؐ کا ایک واقعہ ہے جس سے منافقین کے نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے بغض وعداوت کا اظہار ہوتا ہے۔ غزوۂ بنی مصطلق (5 ہجری) میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ ساتھ کچھ منافقین بھی لشکر میں شامل تھے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ واپسی پر مریسیع کے کنویں کے قریب جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا، دو مسلمانوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ایک مہاجر صحابی حضرت جہجاہؓ تھے جو حضرت عمرؓ کے ملازم تھے اور دوسرے انصاری صحابیؓ تھے۔ جھگڑا زیادہ بڑھا، پرانی عصبیتوں کو آواز دی گئی اور ہوتے ہوتے یہ معاملہ

مہاجرین اور انصار کے مابین ایک جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا۔
نبی اکرم ﷺ کو اطلاع ہوئی، آپ ﷺ تشریف لائے، سمجھایا بجھایا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس کے بعد کچھ لوگ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے پاس گئے اور تشویش کا اظہار کیا کہ مہاجرین کی جرأتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ عبداللہ بن اُبی کو اپنے خبثِ باطن کے اظہار کے لئے ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ اس نے لوگوں کو سخت سست کہا کہ آج مجھ سے کیا کہتے ہو، یہ سب کچھ تم لوگوں کا کیا دھرا ہے۔ یہ خستہ حال مہاجرین مکہ سے آئے تھے، اِن کے پاس کوئی ٹھکانہ نہ تھا، تم نے اِن کو جگہ دی، تم نے اِنہیں پناہ دی اور تم نے اِن پر خرچ کیا۔ اب اِن کی ہمتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ہم اہلِ مدینہ اِن کی دست درازیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ خدا کی قسم اگر تم لوگ اپنا دستِ تعاون اِن سے کھینچ لو اور ان پر خرچ نہ کرو تو یہ سب چلتے بنیں گے۔ یہ ایمان اور جہاد کا غلغلہ محض اس وجہ سے ہے کہ اِن لوگوں کو کھانے پینے کو ملتا ہے، آرام اور آسائش حاصل ہے۔ یہ سہولت اگر سلب کر لی جائے تو یہ ساری بھیڑ چھٹ جائے گی۔ اُس نے بہت زور دے کر کہا جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو جو صاحبِ عزت یعنی مدینہ کے قدیم باشندے (Sons of the soil) ہیں وہ اِن کمزور اور بے حیثیت مہاجروں کو مدینہ سے بے دخل کر دیں گے۔

ایک کم عمر صحابی حضرت زید بن ارقمؓ نے جا کر یہ بات نبی اکرم ﷺ تک پہنچائی۔ آپؐ نے عبداللہ بن اُبی کو طلب فرمایا اور باز پُرس کی۔ وہ صاف قسم کھا گیا کہ میں نے ایسی کوئی بات ہی نہیں کہی اور یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اب حضرت زید بن ارقمؓ کی پوزیشن بڑی خراب ہو گئی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک نیک دل اور مخلص مسلمان کے قول کی توثیق وتصویب کی اور منافقین کی غلط بیانی اور ناپاک عزائم کا پردہ چاک کر دیا۔

آیت : 9

مرضِ نفاق کا سبب اور اس کی حفاظتی تدبیر

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا -- اے لوگو جو ایمان لائے ہو -- لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ --غافل نہ کر دے تمہیں تمہارا مال اور اولاد اللہ کی یاد سے -- وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ --اور جو ایسا کریں گے -- فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ -- تو وہی لوگ خسارا اٹھانے والے ہیں۔

مرض نفاق کا سبب ہے مال و اولاد کی حد سے زیادہ محبت جو دینی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بن جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿﴾

’’اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ہیں ہی آزمائش کا ذریعہ اور بلاشبہ اللہ کے پاس شاندار بدلہ ہے۔‘‘ (الانفال : 28)

مرض نفاق کے سبب کی اس تشخیص کے نتیجہ میں اس مرض سے حفاظتی تدبیر ہے ہر دم اللہ کو اور اس کے احکامات کو یاد رکھنا۔ انسان جب بھی اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے :

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ ﴿﴾

’’اور جو رحمان کے ذکر سے غفلت اختیار کرتا ہے ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔‘‘ (الزخرف : 36)

اس کے برعکس اللہ کے نیک بندوں کا معاملہ یہ ہے کہ :

رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ ص یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿﴾

’’وہ جواں مرد جنہیں ان کی تجارت اور لین دین غافل نہیں کرتے اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔ وہ اُس دن سے ڈرتے ہیں جب اُلٹ دیے جائیں گے دل اور آنکھیں‘‘۔ (النور:37)

یہی بات سورۂ منافقون کی اس آیت میں تنبیہ کے انداز میں کہی گئی کہ دیکھنا کہیں تمہیں تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو غافل ہو گیا وہ ہمیشہ ہمیش کے خسارے میں چلا گیا۔

ذکر کے معنی ہیں اِسْتِحْضَارُ اللّٰہِ فِی الْقَلْبِ یعنی دل میں اللہ کو یاد رکھنا۔ صوفیاء کا قول ہے ’’جو دم غافل سو دم کافر‘‘۔ ذکر کے ذرائع ہیں قرآنِ حکیم، نماز، تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، استغفار، مسنون اذکار اور دعائیں۔ مؤثر ترین ذریعۂ ذکر ہے قرآنِ حکیم اور جامع ترین ذریعۂ ذکر ہے نماز۔ ان کے بعد درجہ ہے دیگر اذکارِ مسنونہ کا۔ البتہ اگر کوئی شخص خاموش ہے لیکن اس کا دل اللہ کی طرف متوجہ ہے تب بھی وہ حالتِ ذکر میں ہے۔ پھر ذکر سے مراد یہ بھی ہے کہ ہم ہر کام کرتے ہوئے اللہ کے احکامات اور نبی کریمؐ کی سنت کو یاد رکھیں، جھوٹ نہ بولیں، کسی کو دھوکہ نہ دیں، اپنے جملہ فرائض دیانت داری سے ادا کریں وغیرہ۔

آیات : 10 تا 11

مرضِ نفاق کا علاج

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ -- اور خرچ کرو اُس رزق میں سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے -- مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ --اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے -- فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ -- تو وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی؟ -- فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ -- تاکہ میں صدقہ کر لیتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں سے --

وَلَن يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا --اوراللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا اُس کوجس کی موت آ جاتی ہے -- وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ -- اور جو کچھ تم کرتے ہواللہ اُس سے باخبر ہے۔

مال کی محبت اوراسے سمیٹ سمیٹ کر رکھنے کی ہوس ہی نفاق کا سبب ہے اوراس کا علاج ہے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا۔ مال خرچ کرنے سے انسان کے باطن سے دنیا کی محبت نکلتی ہے اوراس کا تزکیہ ہوتا ہے۔اسی لئے ارکانِ اسلام میں مال کی ادائیگی کے فریضہ کو زکوۃ کہا جاتا ہے۔دل دنیا کی محبت سے صاف ہوتا ہے تب ہی اس میں نورِ ایمان اوراللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے :

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہوگئی

انفاق کے معنی ہیں کسی شے کوخرچ کرنا یا کھپا دینا۔وسیع مفہوم میں انفاق صرف مال خرچ کرنے کے لئے نہیں بلکہ ہراس شے کوخرچ کرنے کے لئے آتا ہے جس پر انسان کو اختیار حاصل ہو۔گویا مال کے علاوہ جسمانی صلاحیت، اولاد اور املاک وغیرہ کواللہ کی راہ میں لگانا بھی انفاق فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ (الحدید :7)

''اورخرچ کروہراس شے میں سے جس پرتمہیں خلافت یعنی عارضی اختیار دیا گیا ہے۔''

رزق کے معنی بھی محض خوراک نہیں بلکہ وہ تمام صلاحیتیں اورنعمتیں ہیں جواللہ نے انسان کو دی ہیں۔گویا انفاقِ رزق کا مطلب ہے مال کے ساتھ اپنی تمام صلاحیتوں اوراولاد کوبھی اللہ کے دین کی خدمت میں وقف کر دینا۔

اگر انسان نفاق کے علاج کے لئے انفاق نہیں کرتا اور مال سمیٹ سمیٹ کر رکھتا ہے تو بالآخر موت تو آنی ہی ہے اوراس وقت انسان اپنی تمام دنیوی نعمتوں سے محروم ہوجائے گا۔بدنصیب انسان اس وقت اللہ سے فریاد کرے گا :

رَبِّ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝

''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اورکیوں نہ دی؟ تا کہ میں صدقہ کر لیتا اور ہو جاتا نیک لوگوں میں سے۔''

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ۝ لَعَلِّىۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِيۡمَا تَرَكۡتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ۝ (المومنون :99 - 100)

''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے لوٹا دے تا کہ میں اس (مال واسباب) میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے جس کا وہ محض کہنے والا تھا اوراُس کے بعد برزخ ہے اس دن تک کے لئے جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔''

سورہ انعام آیت 28 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

لَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ

''اگر وہ لوٹا دیے جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں گے''

لٰہذا جب ایک بار موت آجائے تو پھر اسے ٹالا نہیں جاسکتا۔موت کا وقت معین ہے اور ملک الموت کواس سے آگاہ کر دیا گیا ہے :

قُلۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِىۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ۝

'' کہہ دیجئے (اے نبی ﷺ) تمہاری جان لے گا موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''(السجدہ : 11)

اسی طرح موت کی جگہ بھی طے شدہ ہے :

اَیۡنَمَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ

’’تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ پکڑے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔‘‘ (النساء : 78)

اللہ ہمیں وفات سے پہلے پہلے توبہ کرنے اور اپنے دین کی خاطر تین من دھن لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین